مگروان فاتح کے صاف سلیٹ جیسے ذہن کے لئے وہ فقرہ بے معنی تھا۔ وہ بھنویں اکٹھے کیے سنجیدگی سے بولا۔ ''کیا کہنا چاہ رہی ہو۔''

''کیوں نا ہم اندر بیٹھ کے بات کریں؟'' پھر سرسری سا اطراف میں دیکھا۔ ''ویسے مجھے معلوم نہیں کہ کون سے کمرے میں بیٹھنا چاہیے۔ آپ کی فائل یقیناً میں نے آنکھیں بند کر کے چرائی تھی اسی لیے معلوم نہیں کہ کون سا کمرہ کس کا ہے۔ لیکن اس کمرے میں چلتے ہیں۔'' اس نے سامنے والے دروازے کی طرف اشارہ کیا جو عصرہ کے کمرے کا تھا۔ دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کو دیکھا۔

''تالیہ' مہمان آ رہے ہیں' میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے' اس لئے امید ہے تم نے کسی ضروری بات کے لئے بلایا ہے۔'' کمرے میں آ کے عصرہ سنجیدگی سے بولی۔

تالیہ نے دروازہ بند کیا اور ان دونوں کی جانب گھومی۔ پھر سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا اور بتیاں جلا لیں۔ شاہانہ بیڈ روم سفید روشنیوں سے جگمگا اٹھا۔ بیڈ کے کنارے وہ دونوں کھڑے تھے اور ان کے مقابل تالیہ۔

''بات بہت ضروری ہے۔''

''ٹو دی پوائنٹ بات کرو' تاشہ!'' بے زار سے فاتح نے کوٹ کی آستین کے پیچھے کر کے گھڑی دیکھی۔ تالیہ نے سینے پہ بازو لپیٹے اور قریب آئی۔ باری باری دونوں کی آنکھوں میں دیکھا۔

''جو گھائل غزال آپ بیچنے جا رہی ہیں' وہ نقلی ہے۔''

روشن کمرے میں یکدم سناٹا چھا گیا۔ پھر عصرہ کے ماتھے پہ بل ابھرے۔

''کیا مطلب؟ میری پینٹنگ کو ماہرین نے authenticate کیا ہے۔'' اس کے گال سرخ ہوئے۔

صرف ان ماہرین نے جن سے آپ پہلی دفعہ ملی تھیں کیونکہ آپ کے جاننے والے دونوں ماہرین اچانک سے غائب ہو گئے تھے۔''

فاتح جو آنکھوں کی پتلیاں سکوڑے سامنے کھڑی لڑکی کو خود اعتمادی سے بولتے دیکھ رہا تھا' اس بات پہ چونک کے عصرہ کو دیکھا۔

''تم نے پینٹنگ اپنے قابلِ بھروسہ ماہرین کو نہیں دکھائی تھی؟''

''وہ....وہ اس وقت ملائیشاء میں نہیں تھے' مگر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' عصرہ کا بے بسی اور غصے سے چہرہ دہکنے لگا۔ ''میرے پاس سارا پیپر ورک موجود ہے۔ اور.....''

''جو آدمی آپ سے شہزادہ (شیخ جاسم) بن کے ملا تھا' وہ دراصل اس شہزادے کا مینیجر ہے۔ ایک ملازم۔ گھائل غزال واقعی اس کی تھی' مسز عصرہ' لیکن وہ ڈیڑھ سال پہلے چوری ہو گئی تھی اس نے آپ کو وہ نقلی پینٹنگ دی ہے جو چور وہاں لگا کے چلے گئے تھے۔''

''اور تمہیں یہ سب کیسے معلوم ہے' تاشہ؟'' وہ مشکوک چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ تالیہ نے نظروں کا رخ اس کی طرف پھیرا اور مسکرائی۔ کئی زمانے پہلے ایک اور نیلامی پہ بھی وہ تقریب سے پہلے اس سے ملاقات کرنے اندھیر پنجروں تک گئی تھی۔

وقت کیسے بدل گیا تھا۔اور وقت کیسے ایک سا تھا۔

''کیونکہ جب پینٹنگز چوری ہوتی ہیں تو وہ بلیک مارکیٹ پہ بیچی جاتی ہیں جہاں سے خریدنے والے کو ٹیکس نہیں دینا پڑتا۔اور آپ کی گھائل غزال اس لئے نقلی ہے کیونکہ اصلی گھائل غزال میرے پاس ہے۔''

اس نے کہنی پہ ٹنگے پرس کو کھولا اور اندر ہاتھ ڈال کے کتاب جتنی پینٹنگ نکال کے سامنے کی۔عصرہ کی آنکھیں پوری کھل گئیں۔

''مگر تم نے میری ڈائننگ ٹیبل پہ بیٹھ کے کہا تھا کہ میری پینٹنگ اصلی ہے۔'' وہ دھک سے رہ گئی۔

''کیونکہ مجھے یقین نہیں تھا کہ آپ میرا اعتبار کریں گی۔''

''تم بعد میں بھی بتا سکتی تھیں۔'' فاتح درشتی سے بولا۔اس کی مشکوک نظریں ہنوز تالیہ پہ جمی تھیں۔

''میں بتانے والی تھی مگر پھر آپ دونوں نے میرے اوپر فائل چوری کا الزام ڈال دیا۔اگر میں اتنی بدنیت ہوتی فاتح صاحب تو آپ کو خاموشی سے یہ بیچنے دیتی۔یہ نقلی پینٹنگ کسی نے غلطی سے آپ کو نہیں دی۔اس کے پیچھے پوری پلاننگ ہے۔اور جس نے یہ کیا ہے' اس نے اپنا خریدار باہر بٹھا رکھا ہو گا جو اونچی بولی لگا کے سب کے سامنے پینٹنگ کو ٹیسٹ کروائے گا اور نقلی نکلنے کی صورت میں آپ کی بدنامی الگ ہو گی۔مسز عصرہ پہ پولیس رپورٹ درج ہو گی' یہ جیل جائیں گی اور آپ کی ہر بیچی گئی پینٹنگ کا آڈٹ شروع ہو جائے گا۔''

''نہیں۔'' عصرہ نے مضطرب چہرے کے ساتھ گردن کڑائی۔''میری پینٹنگ اصلی ہے۔تمہاری نقلی ہو گی۔''

''ہاں تاشہ' ہم کیسے مان لیں کہ تمہاری پینٹنگ نقلی نہیں ہے۔''

''میں نے آپ کے ایک پرانے ماہر طٰہٰ زہری صاحب کو بھی تقریب پہ بلایا ہے۔وہ اس وقت کے ایل میں نہیں تھے جب آپ نے اس پینٹنگ کو ٹیسٹ کروایا تھا۔مگر فی الحال وہ یہیں موجود ہیں۔آپ ان کو کال کریں۔دونوں پینٹنگز دیکھ کے خود بتا دیں گے کہ کون سی اصلی ہے۔'' وہ پراعتماد تھی۔داتن نے اس کا دیا کام بروقت کر دیا تھا۔

عصرہ نے اسے گھورتے ہوئے کلچ کھولا' موبائل نکالا اور سنگین لہجے میں بولی۔''تم یہیں رہو' میں ابھی آ رہی ہوں۔'' وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔دروازہ ادھ کھلا رہ گیا۔

فاتح آنکھیں چھوٹی کر کے اس کو بغور دیکھ رہا تھا۔''سو تم بلیک مارکیٹ سے چیزیں خریدتی ہو۔یہ جرم ہے۔ Tax evasion' یو نو۔''

''میں نے یہ تو نہیں کہا کہ یہ پینٹنگ میں نے وہاں سے خریدی ہے۔'' وہ سچ بول رہی تھی۔

''ایک ہی بات ہے۔خیر...اگر یہ شہزادے جاسم کے ہاں سے چوری ہو ہی گئی تھی تو اس نے پولیس میں رپورٹ کیوں نہیں کی۔''

''رپورٹ کر کے وہ کیا کہتے؟ یہ وہ پینٹنگ ہے جو اس نے خود بلیک مارکیٹ سے خریدی تھی اور اس پہ کبھی ٹیکس ادا نہیں کیا۔''

''اچھا مان لیا کہ تمہاری پینٹنگ اصلی ہے' اور تم میری بیوی کو ایک اسکینڈل سے بچانے آئی ہو مگر تمہیں اس سے کیا فائدہ ہوگا؟''

''شاید آپ کو ہماری ملاقات کے آخر تک معلوم ہو جائے کہ میں پینٹر سے زیادہ بھی کچھ ہوں۔'' اس نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔

فاتح نے بے رخی سے سر جھٹکا اور ساتھ رکھی سنگھار میز کے کنارے پہ جا بیٹھا۔ وہ بے زار کے ساتھ ساتھ مشکوک بھی لگ رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد عصرہ اور ایک معمر صاحب اس کمرے میں موجود تھے اور عصرہ کی گھائل غزال کا معائنہ کیا جا رہا تھا۔ عصرہ کی رنگت زرد تھی اور وہ اضطراب سے انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ دفعتاً طٰہٰ صاحب نے سر اٹھایا اور سادگی سے عصرہ کو دیکھا۔

''یہ نقلی ہے۔''

عصرہ نے کرب سے آنکھیں میچیں۔ اب وہ صاحب بتا رہے تھے کہ کس طرح اس نقلی پینٹنگ کو غالباً کسی اوون میں بیک کر کے age کیا گیا تھا' پینٹ سال ڈیڑھ پرانا تھا.....

''اور یہ پینٹنگ؟'' تالیہ نے بیگ سے نکال کے چھوٹی سی پینٹنگ سامنے کی تو اس نے اسے احتیاط سے تھاما پھر اونچا کر کے دیکھا۔ پھر میز پہ رکھا اور اپنی ٹول کٹ کھول لی۔ عصرہ اب بالکل خاموشی سے سینے پہ بازو لپیٹے' لب بھینچے انہیں دیکھ رہی تھی۔

''یہ اصلی ہے۔ سو فیصد اصلی۔ یہ دیکھیں....'' ماہر نے پینٹنگ پہ جھکے جوش سے بتانا شروع کیا تو میز کے کونے پہ بیٹھا فاتح تیزی سے بولا،

''شکریہ طٰہٰ صاحب۔''

ماہر کی بولتی بند ہوگئی۔ اس نے گہری سانس لی اور چیزیں سمیٹنے لگا۔

اس کے جاتے ہی عصرہ نے اپنی پینٹنگ اٹھائی اور زخمی نظروں سے اسے دیکھا۔

''اب یہ پینٹنگ نیلامی پہ نہیں جائے گی۔'' اس نے پینٹنگ کو زور سے ردی کی ٹوکری میں پھینکا۔ چھناکے کی آواز آئی اور شیشہ چکنا چور ہو گیا۔

''اس طرح تو آپ کو کبھی معلوم نہیں ہو سکے گا کہ یہ سب آپ کے ساتھ کس نے کیا ہے!''

عصرہ نے بھیگی آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا۔ ''میں نقلی پینٹنگ کو کیسے نیلامی پہ لگا سکتی ہوں؟''

تالیہ نے میز پہ رکھی اصلی پینٹنگ دو انگلیوں سے اس کی طرف دھکیلی۔

''آپ اس پینٹنگ کو نیلامی پہ لگا دیں۔ میں اس کی بولی لگاؤں گی۔''

''تم اپنی پینٹنگ خریدو گی؟''

''نہیں۔آپ پہلے اس لڑکی کو بولی لگانے سے منع کریں گی جو غالباً کوئی عام سی ورکر ہے اور آپ نے اسے اچھا لباس اور زیور پہنا کے باہر معزز مہمانوں میں بٹھا رکھا ہے تاکہ وہ میرے مقابلے میں بولی لگائے اور قیمت بڑھائے۔''

فاتح کے کندھے سیدھے ہوئے۔اس نے چونک کے عصرہ کو دیکھا۔عصرہ کی پلکوں میں لرزش ہوئی۔اس نے تھوک نگلی۔

''اتنے حیران مت ہوں فاتح صاحب۔نیلامیوں پہ اتنا تو چلتا ہے۔اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی امیر زادی ہر قیمت پہ نیلامی جیتنا چاہتی ہے تو اپنا بندہ بٹھایا جاتا ہے تاکہ وہ قیمت بڑھاتا جائے۔شاید آپ نے بھی کبھی کوئی نیلامی اٹینڈ کی ہو مگر آپ کو یاد نہ ہو۔'' سرسری سا کہہ کے عصرہ کی طرف دیکھا۔

''جس نے بھی یہ کیا ہے' اس کا خریدار بھی وہاں بیٹھا ہوگا۔میں صرف قیمت بڑھاؤں گی' اور وہ مجھ پہ سبقت لے جائے گا کیونکہ اس کو معلوم ہوگا کہ پینٹنگ نقلی ہے اور اسے قیمت نہیں ادا کرنی ۔لیکن اگر پینٹنگ اصلی نکل آئے تو قانوناً اس کو لازماً قیمت ادا کرنی ہوگی ۔نہ صرف آپ کو مالی فائدہ ہوگا بلکہ اس خریدار کے ذریعے آپ اصل سازشی شخص کو ٹریس بھی کرسکتی ہیں۔''

عصرہ بے بس سی بیڈ کے کونے پہ جا بیٹھی اور دونوں ہاتھوں میں گرا دیا۔اس کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔

''اور تم مفت میں ہمیں اتنی قیمتی پینٹنگ دے دو گی؟'' فاتح غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا کھڑا ہوا اور سامنے آیا۔اب وہ دونوں مدمقابل کھڑے تھے۔تالیہ جتانے والے انداز میں مسکرائی۔

''مفت میں تو صرف پندرہویں صدی کے چائے خانوں میں غلاموں کے لئے کھانا ملا کرتا تھا' فاتح صاحب۔دو ہزار سولہ میں مفت میں کچھ نہیں ملتا۔''

سر پکڑے بیٹھی عصرہ نے بے یقینی سے تالیہ کو دیکھا۔''یعنی تمہیں کچھ چاہیے؟ کیا؟ نیلامی والی رقم؟''

''نہیں۔چے تاشہ کو میرا گھر چاہیے۔'' وہ اس کے چہرے کو بغور پڑھ رہا تھا۔

تالیہ کھلے دل سے مسکرائی۔''آپ کا گھر اس پینٹنگ سے کافی مہنگا ہے' اس لئے آپ اسے مجھے نہ بیچیں۔صرف کرایے پہ دے دیں۔''

''کرایے پہ؟'' فاتح نے تعجب سے ابرو اچکائے۔''تم اس کا کیا کرو گی؟''

''مجھے اس گھر میں بیٹھ کے ایک پینٹنگ بنانی ہے۔آپ ایک ماہ کے لئے اسے مجھے کرایے پہ دے دیں اور اگر درمیان میں آپ اسے بیچنا بھی چاہیں تو میں وہ گھر خالی کردوں گی۔بھلے آپ اسے اگلے ہفتے ہی بیچ دیں۔''

''اور جب تک میں وہ گھر نہ بیچوں تم اسے استعمال کرتی رہو گی؟''

''جی۔آج بیس جولائی ہے (اس کی آنکھوں میں جھانکا۔اس کو وہ تاریخ یاد نہ تھی۔) بیس اگست کو میں اسے خالی کردوں گی۔اگر میں آپ کی جگہ ہوتی تو ہاں کرنے میں دیر نہ لگاتی' فاتح صاحب۔''

''تم میری جگہ پہ نہیں ہو۔'' وہ درشتی سے بولا تو تالیہ نے شانے اچکا دیے۔

''گھائل غزال آپ کی میز پہ ہے۔ میں اب باہر جا رہی ہوں۔ اگر آپ نے اسے نیلامی پہ لگا دیا تو پارٹی کے اختتام پہ آپ گھر کی چابی میرے حوالے کر دیں گے۔''

''اور اگر میں ایسا نہ کروں۔ تو؟'' فاتح ماتھے پہ بل ڈالے پوچھ رہا تھا۔

''تو نہ کریں۔ ویسے بھی یہ پینٹنگ میں نے آپ کو نہیں دی' مسز عصرہ کو دی ہے۔ اسے میری طرف سے اس نیلامی کے لئے عطیہ سمجھ کے قبول کر لیں' جیسے عرب شہزادے سے قبول کی تھی۔'' اسی کے لہجے میں الفاظ لوٹا کے وہ مڑی اور باہر نکل گئی۔

اس کے جاتے ہی عصرہ تیزی سے کھڑی ہوئی۔ اس کے چہرے پہ بے حد پریشانی تھی۔

''فاتح۔'' اس نے جلدی سے فاتح کے دونوں ہاتھ تھامے اور اس کے سامنے آئی۔ آنکھوں میں آنسو تھے۔ ''اگر میں نے اب نیلامی سے پینٹنگ ہٹائی تو بہت بدنامی ہوگی۔ پلیز فاتح' گھر اس کو دے دو... وہ کریزی سی سوشلائیٹ ہے۔ وہ اسی پہ خوش ہو جائے گی۔''

''تم اس لڑکی کے ساتھ کیسے کوئی سودا کر سکتی ہو جس نے میری فائل چرائی تھی۔''

''کیا پتہ اس نے نہ چرائی ہو؟ اور وہ الگ بات ہے۔'' وہ جلدی سے بولی۔ فاتح نے جھنجھلاہٹ سے سر جھٹکا۔

''مجھے اس گھر کو بیچنا ہے' عصرہ!''

''وہ ایک ماہ میں گھر خالی کر دے گی' فاتح۔ اس کی بات کا اعتبار کرو' اس نے ہمیں اسکینڈل سے بچایا ہے۔ یا اللہ۔ ہم تباہ ہو سکتے تھے۔'' اس نے نم پیشانی کو چھوا۔ وہ اندر تک ہل گئی تھی۔

''ٹھیک ہے۔ میں اسے گھر دے دیتا ہوں' لیکن آج کے بعد تم کبھی بھی امریکہ جانے کی بات نہیں کرو گی۔ سنا تم نے؟''

عصرہ کچھ کہنے لگی' پھر سر ہلا دیا۔ ''جو تم کہو۔ بس ابھی مجھے اس سچویئشن سے نکالو۔''

''جمعے کو میں کاغذاتِ نامزدگی جمع کروا رہا ہوں عصرہ۔ اور تم مجھے نہیں روکو گی۔ از دیٹ کلیئر!''

''تم بھی تالیہ کی طرح موقعے کا فائدہ اٹھا رہے ہو۔ واقعی۔ مفت میں کچھ نہیں ملتا لیکن خیر...'' عصرہ نے ٹھنڈی سانس بھری۔ ''مجھے ہر شرط منظور ہے۔''

''عصرہ تم راضی نہ ہوتب بھی میں نے یہی کرنا ہے۔ اگر پینٹنگ نہ رکھی تو خوامخواہ باتیں بنیں گی۔ اور ہم یہ نہیں جان سکیں گے کہ یہ کس کی حرکت ہے... دیکھو عصرہ...'' وہ چہرے پہ نرمی لائے اس کے ہاتھ تھامے سمجھانے لگا۔ ''تم کسی کو بھی پینٹنگ کے بدلے جانے کا نہیں بتاؤ گی۔ یہ جس نے بھی کیا ہے وہ پینٹنگ کے اصلی نکلنے پہ حیران ہوگا۔ اور کسی طریقے سے تم سے اگلوانے کی کوشش کرے گا۔ وہ یقیناً کوئی قریبی دوست وغیرہ بھی ہو سکتا ہے۔''

''اوکے' پھر؟'' وہ اس کی بات سمجھ رہی تھی۔

''تم غور کرنا کہ نیلامی کے بعد تم سے کون آ کے غیر ضروری سوالات پوچھتا ہے۔ کوئی پوچھے گا عصرہ۔ کوئی ضرور پوچھے گا۔'' وہ اسے غور سے دیکھتا دھیرے دھیرے سمجھا رہا تھا اور عصرہ سمجھتے ہوئے سر ہلا رہی تھی۔

☆......☆......☆

''سو آپ نے سر درد کی دوا لینے کے بہانے جا کر ان کو سب بتا دیا۔ میں سمجھا آپ کے سر میں واقعی درد ہے اور آپ اندر تھوڑی دیر آرام کرنے گئی ہیں۔''

تقریب میں واپس آؤ تو اسٹیج پہ نیلامی جاری تھی اور پہلی قطار میں بیٹھا ایڈم دانت پیستے ہوئے اس سے کہہ رہا تھا۔ ''آپ مجھے اپنا پلان بتا بھی سکتی تھیں لیکن نہیں۔ آپ ابھی تک خود کو شہزادی سمجھتی ہیں اور مجھے ایک غلام۔''

''اور بھگوڑا فوجی بھی۔'' اسٹیج کو دیکھتی تالیہ نے تصحیح کی۔

''مگر آپ نے ان کو اشعر کے بارے میں کیوں نہیں بتایا کہ یہ سب اسی کی سازش تھی؟'' ایڈم نے تالیوں کی گونج کے دوران سرگوشی کی۔ تالیہ نے آنکھیں گھما کے اسے گھورا۔

''اگر وہ اپنے دوست اور دشمن میں خود تفریق نہیں کر سکتے تو وہ اس قابل نہیں کہ ان کی مدد کی جائے۔''

ایڈم نے جواباً پتلیاں سکوڑ کے اسے گھورا۔ ''تاریخ گواہ ہے کہ آپ مجھے ہمیشہ اندھیرے میں ہی رکھتی ہیں اس لئے اس کے پیچھے بھی کوئی اور وجہ ہوگی۔'' اور منہ بنا کے چہرہ سیدھا کر لیا۔

تقریب ختم ہوئی تو اندھیرا چھا رہا تھا۔ لان میں نصب تمام برقی قمقمے جلا دیے گئے تو سارے میں روشنی پھیل گئی۔ بفے ٹیبلز پہ کھانا چن دیا گیا تھا اور مہمان اب ٹہلتے ہوئے کھانا لینے میں مصروف تھے۔

فاتح ایک ٹیبل کے سامنے کھڑا' پلیٹ اٹھائے ساتھ کھڑے ایک دوست سے بات کر رہا تھا۔ کھانا ڈال کے وہ مڑا تو دیکھا' سامنے ایڈم کھڑا ہے۔ فاتح مسکرایا اور بات ختم کر کے اس کی طرف متوجہ ہوا۔ ''کیسے ہو ایڈم؟''

''کنفیوزڈ ہوں' سر۔ سوچا آپ سے ایک مشورہ مانگ لوں۔'' وہ متانت سے کہنے لگا۔

''پوچھو۔'' فاتح سلاد کے پتے کو کانٹے میں پھنسا رہا تھا۔ ایڈم کی نظریں سبز پتے پہ جھکیں تو اسے گھوڑے کو چارہ کھلاتے ہوئے اس کو سیلف اسٹیم پہ لیکچر دیتا غلام فاتح یاد آیا۔ ماضی ہر قدم پہ ایسے کیوں یاد آتا ہے؟ بھول کیوں نہیں جاتا جیسے فاتح کو بھول گیا تھا؟

''ایک کام ہے جو میں کرنا ''جانتا'' ہوں اور مجھے اسی سے متعلق جاب ملے گی۔ مگر ایک کام ہے جو میں کرنا ''چاہتا'' ہوں مگر اس کام میں نوکری تلاش کرنا ناممکن سا لگتا ہے۔''

''کرنا کیا جانتے ہو اور کرنا کیا چاہتے ہو؟'' وہ اب پلیٹ پہ چہرہ جھکائے چاولوں کو سلاد میں مکس کر رہا تھا۔

''گارڈ بن سکتا ہوں بس۔مگر مجھے لکھنے کا شوق ہے۔'' وہ جھینپ کے بولا۔شرمندگی سی محسوس ہوئی تھی۔فاتح نے چاولوں کا چمچ لبوں میں رکھا اور چند لمحے خاموشی سے ان کو چبایا۔

''گارڈ کا کام کیا ہوتا ہے' ایڈم؟''

''اپنے مالک کی حفاظت کرنا۔''

''مگر کس طرح؟ ہاتھ سے پستول تو وہ خطرے کی صورت میں نکالتا ہے' اس سے پہلے وہ سارا وقت کیا کرتا ہے؟''

ایڈم نے لمحے بھر کے لئے سوچا۔''وہ ماحول پہ گہری نظر رکھتا ہے' اور اپنے مشاہدے سے ہر غیر معمولی بات کو نوٹس کرتا ہے۔''

''اور لکھنے والے کیا کرتے ہیں؟''

''وہ....ایڈم اٹکا۔''وہ اپنے ماحول پہ گہری نظر رکھتے ہیں اور اپنے مشاہدے سے ہر غیر معمولی بات کو نوٹس کرتے ہیں۔'' الفاظ ادا کر کے جیسے وہ خود گم صم ہو گیا تھا۔

''مل گیا جواب؟'' فاتح مسکرا کے پلٹنے لگا' پھر واپس مڑا اور اسے غور سے دیکھا۔

''مجھے یاد پڑتا ہے تمہارے پاس پستول بھی ہوتا تھا۔مگر تم نے اس دن ان لڑکوں پہ پستول نہیں اٹھایا۔کیا تم واقعی اچھے گارڈ ہو؟''

ایڈم چونکا۔پھر ہونقوں کی طرح اس کی شکل دیکھی۔''کون سے لڑکے؟''

''اس رات ملاکہ میں جن چور لڑکوں نے ہمیں روکا تھا اور مجھے زخمی کیا تھا۔کیوں؟ تمہیں یاد نہیں؟ تم اس وقت میرے ساتھ تھے' ایڈم!''

وہ غور سے ایڈم کے تاثرات کو دیکھ رہا تھا۔اسے یاد نہیں تھا' مگر ایڈم کو یاد ہونا چاہیے تھا۔کیا واقعی وہی سب ہوا تھا جو اس نے پولیس کو ویڈیو میں بتایا تھا؟؟ یا کچھ اور ہوا تھا؟.....فاتح کے اندر جو چار دن سے کھٹک رہا تھا' وہ اب زور زور سے کھٹکنے لگا۔

''مجھے....مجھے یاد ہے' سر!'' ایڈم اٹک اٹک کے بولا۔''اور میں نے پستول نکالا تھا مگر آپ نے مجھے منع کیا تھا کہ میں....گولی نہ چلاؤں۔'' وہ سچ کہہ رہا تھا۔ذہن میں جنگل کا منظر گھوم رہا تھا جب قدیم ملاکہ میں وہ غیر مانوس زبان بولنے والے لوگ ان کے گرد گھیرا ڈالے کھڑے تھے۔اس نے پستول نکالا تھا مگر فاتح نے اس ہتھیار ڈالنے کا کہہ دیا تھا۔

''کیا آپ کو نہیں یاد' سر؟'' اب کے ایڈم نے غور سے اسے دیکھا۔

فاتح نے سر جھٹکا۔''مجھے کیوں یاد نہیں ہوگا۔'' پھر بات پلٹ دی۔''تم اچھے گارڈ ہو مگر کام وہ کرو جو تمہارے دل کو پسند ہو۔'' سرسری سا کہتا وہ مڑ گیا۔اندر کھٹکتی شے خاموش ہو گئی۔سب ویسا ہی ہوا تھا یقیناً' بس اسے یاد نہ تھا۔

''تعجب کی بات ہے' کسی کو گھائل غزال پہ کیسے شک ہو سکتا ہے۔'' عصرہ اور تالیہ ایک بفے ٹیبل کے ساتھ کھڑی تھیں جب اشعر

کی آواز نے دونوں کو چونکایا۔ تالیہ نے گردن موڑی تو وہ جو اپنی بہن کو مخاطب کرتا قریب آرہا تھا' ایک مسکراتی نظر تالیہ پہ ڈال کے سلام میں سر کو جنبش دی۔ ''کیسی ہیں آپ' چے تالیہ؟''

''ہمیشہ کی طرح چوکنی اور ہوشیار!'' اس کی آنکھوں میں جھانک کے بولی۔ وہ ہلکا سا ہنسا۔ سرمئی سوٹ اور ٹائی میں ملبوس' اس نے اپنے وجیہہ چہرے پہ ایسی مصنوعی مسکراہٹ سجا رکھی تھی جس کی ایک لکیر بھی مدھم نہ پڑتی تھی۔

''کا کا.... یہ کیا حرکت تھی تمہارے خریدار کی؟ وہ تم پہ شک کیوں کر رہا تھا؟'' وہ پھر سے موضوع کی طرف آیا۔

عصرہ جو پلیٹ پکڑے کھڑی تھی' ذرا متذبذب ہوئی۔ سیاہ رات میں اس کے چمچماتے لباس کے باوجود ایک دم مرجھا جانے والا چہرہ چھپ نہ سکا۔

''وہ....شاید....'' (اسے فاتح کی تنبیہہ یاد آئی۔)

''میں بتاتی ہوں۔'' تالیہ نے دھیمی آواز میں سرگوشی کی۔ ''جو گھائل غزال مسز عصرہ کو کسی نے تحفے میں دی تھی' وہ نقلی تھی۔ کیونکہ اصلی گھائل غزال کافی عرصہ قبل بلیک مارکیٹ پہ بک چکی ہے۔ عرب شہزادہ بھی نقلی تھا اور ماہرین بھی۔ سو میں نے مسز عصرہ کو اصلی پینٹنگ لا دی اور نقلی کو ہم نے ڈسٹ بن میں پھینک دیا۔''

اشعر لمحے بھر کو سن ہو گیا۔ پھر آنکھوں میں تشویش ابھری۔ فوراً عصرہ کو دیکھا جو متذبذب نظر آرہی تھی۔ ''کا کا' کیا یہ سچ ہے؟''

''اشعر آپ کے بھائی ہیں' مسز عصرہ۔'' تالیہ نے تادیبی نظروں سے اسے گھورا۔ ''وہ آپ کی فیملی ہیں۔ ان کو نہیں بتائیں گی تو کس کو بتائیں گی کہ کتنے بڑے کرائسز سے آپ لوگ بال بال بچے ہیں۔''

عصرہ کے سارے بوجھ جیسے ہلکے ہو گئے۔ وہ نم آنکھوں سے مسکرا دی اور فوراً سے اشعر کی طرف متوجہ ہوئی۔ اب وہ تیزی سے اس کو ساری بات بتا رہی تھی اور وہ تشویش سے سن رہا تھا۔

تالیہ ان کو چھوڑ کے گھر کے بیرونی حصے کے سامنے آئی جہاں وان فاتح چلا آرہا تھا۔ اس نے تالیہ کو قریب آنے کا اشارہ کیا تو وہ مسکراہٹ دبائے چلی آئی۔

''جی تو ا...'' (تو انکو کہتے کہتے رکی۔) ''جی' فاتح صاحب۔'' مسکراہٹ سمٹی۔ یہ وہ شخص نہیں تھا جو بالائی منزل کی کھڑکی سے اسے دیکھتا تھا جب وہ اس قدیم صحن میں مجسمہ بنا رہی ہوتی تھی۔ یہ کوئی اور شخص تھا۔

فاتح نے مٹھی میں بند ایک چابی اس کی طرف بڑھائی۔ جسے تالیہ نے تھام لیا۔

''تم نے آج جو بھی کیا' اپنی مرضی سے کیا۔ یہ مت سمجھنا کہ میں اس کا احسان رکھوں گا یا مجھے اس کی ضرورت تھی۔ میری رائے تمہارے متعلق اب بھی وہی ہے' تاشہ۔ تم کبھی سیدھی بات نہیں کرتیں۔ پتہ نہیں اب تمہیں میرا گھر کیوں چاہیے۔ لیکن....'' اس کے مقابل

کھڑے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے تنبیہہ کی۔ "اگر میرے گھر کے ایک انچ کو بھی نقصان پہنچا تو میں تمہیں وہاں سے فارغ کرنے میں دیر نہیں لگاؤں گا۔"

اس کو کھری کھری سنا کے فاتح کی نظر اس کے عقب میں پڑی جہاں بفے ٹیبل کے ساتھ عصرہ اور اشعر کھڑے سرگوشیوں میں بات کر رہے تھے۔ فاتح کی پیشانی پہ بل پڑے۔

"بے فکر رہیں۔ اشعر صاحب آپ کی فیملی ہیں۔ اس لئے میں نے پینٹنگ والا معاملہ ان کو بتا دیا۔ آخر ایسے موقع پہ فیملی کام نہیں آئے گی تو کون آئے گا، ہوں؟" طنزیہ مسکراہٹ کے ساتھ کہہ کے آگے بڑھ گئی۔ فاتح نے بہت ضبط سے اسے دور جاتے دیکھا۔ اور پھر عصرہ اور اشعر کو۔

اس کا سارا موڈ خراب ہو چکا تھا۔

☆......☆......☆

حالم کے بنگلے پہ اندھیرا چھایا تھا۔ کالونی کے دوسرے گھروں کی بتیاں روشن تھیں مگر آج داتن نہیں تھی، اس لئے تالیہ کے پورچ کی بتی بجھی تھی۔ اس نے کار اندر کھڑی کی اور پھر پرس کہنی پہ ٹکائے سست روی سے باہر نکلی۔ موبائل پہ ساتھ ہی کچھ ٹائپ کرتے سوئچ بورڈ پہ ہاتھ مارا تو سارا پورچ روشن ہو گیا۔

وہ موبائل پہ چہرہ جھکائے گیٹ بند کرنے پیچھے آئی تو کسی احساس کے تحت گردن اٹھائی۔

گیٹ کے اندر کی طرف سمیع کھڑا تھا۔ سینے پہ بازو لپیٹے، کھچڑی بالوں کو پی کیپ سے ڈھانکے، سانولی رنگت والا سمیع اس کو گھور رہا تھا۔

تالیہ بالکل ٹھہر کے اسے دیکھنے لگی۔

"اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم اس موٹی عورت کو بھیج کے، مجھے ڈرا دھمکا کے خاموش کرا دو گی تو یہ تمہاری بھول ہے۔" وہ اپنی چمکتی سیاہ آنکھوں سے اسے گھورتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "میں پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں ہوں۔"

پھر ایک قدم آگے آیا اور سینے پہ لپٹے ہاتھ کھول کے دونوں پہلوؤں پہ رکھے۔

"میں تمہارے ماضی سے واقف ہوں۔ جو تم یہاں مرحوم امیر باپ کی بیٹی بنی پھر رہی ہو نا، جس کو تر کے میں اتنی دولت مل گئی تھی، میں جانتا ہوں کہ تم یہ نہیں ہو۔ تمہارے اشعر محمود کے خاندان میں جتنے چکر لگ رہے ہیں، امید ہے جلد وہ تمہیں اپنا حصہ بنا لیں گے.....لیکن....."

داتن پیس کے ٹھہر ٹھہر کے بول رہا تھا۔ تالیہ بنا پلک جھپکے اسے دیکھے گئی۔

"اگر ان کو یہ معلوم ہو جائے کہ تم ایک fake ہو۔ ایک یتیم خانے سے نوکرانی کے طور پہ ایڈاپٹ کی جانے والی لڑکی جس کو بوجھ کی طرح اس کے فوسٹر پیرنٹس نے اتار پھینکا تھا، اور جس کی پہلے ہی شادی ہو چکی ہے مگر طلاق کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ اور جانے کن کن

طریقوں سے تم نے یہ دولت بنائی ہے۔'' تحقیر سے اس کے سر سے پیر تک ہاتھ سے اشارہ کیا۔

''تو وہ تمہیں فوراً سے دور کر دیں گے۔ تمہاری ساری عزت ختم ہو جائے گی۔ اس لئے بہتر ہے کہ تم مجھے میرا شیئر دو۔''

کالونی کی مدھم روشنیوں اور خالی سڑک سے ہٹ کے' وہ دونوں تالیہ کے گیٹ کے اندر آمنے سامنے کھڑے تھے۔ وہ کچھ بھی بولے بنا اسے سنتے ہوئے وقفے وقفے سے پلکیں جھپکتی تھی۔

''تمہیں ملائیشیاء میں لایا تھا۔ تمہاری اس ترقی میں میرا بھی ہاتھ ہے۔ مجھے.... اپنا حصہ.... چاہیے۔'' دانت کچکچاتے ہوئے بولا۔

چند ثانیے کے لئے پورچ میں سناٹا چھا گیا۔ سمیع نے دیکھا' وہ بس اسے دیکھے جا رہی ہے... دیکھے جا رہی ہے.... اور پھر.... ایک دم.... وہ ہنس پڑی۔

''یا اللہ سمیع....'' وہ گردن پیچھے پھینک کے ہنستی جا رہی تھی۔ سمیع کے تاثرات بدلے۔ مسکراہٹ غائب ہوئی۔

''تم میرا حصہ....''

''تم کتنے فنی ہو' سمیع۔'' بمشکل ہنسی روک کے اس نے سمیع کو دیکھا تو آنکھوں میں بے تحاشہ ہنسنے کے باعث پانی آ گیا تھا۔

''میں تو تمہیں بھول ہی گئی تھی۔ اتنااا عرصہ ہو گیا تمہاری شکل دیکھے' مگر یا اللہ سمیع.... تم تو ابھی تک وہیں ہو۔'' وہ پھر سے ہنس دی۔

''تم مجھے جانتی نہیں ہو' تالیہ۔'' وہ غرایا۔

''اونہوں۔'' اس نے انگلیوں سے نم آنکھیں رگڑیں۔ ''بلکہ تم مجھے نہیں جانتے۔'' اس کی آنکھوں میں دیکھ کے طمانیت سے مسکرائی۔ اور دو قدم آگے آئی' پھر چہرہ اس کے قریب جھکایا اور سرگوشی کی۔

''تالیہ نے ٹوٹے جوتوں کے ساتھ جنگلوں میں سفر کیا ہے۔ اس نے کچے جانوران دانتوں سے کھائے ہیں۔ وہ رسیاں تڑوا کے انسانی پنجروں سے اندھیری رات کو نکل کے بھاگی تھی۔ اس نے اپنے گدھ جیسے باپ کو ان انگلیوں پہ نچایا ہوا ہے۔ اسے وقت کے امراء اور رؤساء کے خلاف کھڑا ہونا بھی آتا ہے اور اسے تنہا سمندروں کا سینہ چیر کے وحشی جزیروں کو سر کرنا بھی آتا ہے۔ وہ ایک دنیا پہ حکومت کر کے آئی ہے سمیع اور تم ابھی وہیں کھڑے ہو۔''

وہ بھنویں بھینچے اسے دیکھ رہا تھا۔ یہ باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھیں۔

''جو تالیہ تم سے ڈرتی تھی' وہ کہیں پیچھے رہ گئی۔ جو تمہارے سامنے کھڑی ہے' اسے کچھ کھونے کا خوف نہیں ہے۔ جاؤ' جس کو جو بتانا ہے' بتا دو۔'' پھر ہاتھ اٹھا کے انگلیاں ہلائیں۔ ''Bubye''

''ٹھیک ہے۔ اب میں تمہیں وارننگ نہیں دوں گا۔ اب میں جو کروں گا' وہ تم دیکھ لو گی۔'' وہ تنفر سے اسے دیکھتا مڑا اور باہر نکل گیا۔

تالیہ نے مسکرا کے گیٹ بند کیا اور دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

لاؤنج تنہا ویران پڑا تھا۔اس نے بتیاں جلائیں اور بڑے صوفے پہ بیٹھ گئی۔پیر میز پہ رکھ دیے اور موبائل کھول لیا۔

''آج آپ سے ٹھیک سے ملاقات نہیں ہو سکی۔کیا ہم دوبارہ مل سکتے ہیں۔''اشعر کا پیغام جگمگا رہا تھا۔

''شیور' اشعر صاحب۔صبح ناشتے پہ ملتے ہیں۔''

اشعر کو شاید اتنی جلدی مثبت جواب کی توقع نہ تھی۔اس نے فوراً سے جواب بھیجا۔

''کہاں؟''

''صبح بتاؤں گی۔''اس نے فون پرے ڈال دیا۔ایک دم کال کی گھنٹی بجی تو اس نے مسکرا کے فون اٹھایا مگر پھر چونکی۔بجنے والا فون یہ نہیں تھا۔

تالیہ ایک دم سیدھی ہوئی اور پرس میں ہاتھ ڈالا۔دوسرا فون نکالا جو' حالم'' کا تھا۔آج ہی اس نے یہ دوبارہ ایکٹو کروایا تھا۔

اس پہ غیر شناسا نمبر جگمگا رہا تھا۔شاید حالم کا کوئی کلائنٹ تھا۔تالیہ نے فون کان سے لگایا۔''ہیلو؟''

''سلام علیکم! وان فاتح بات کر رہا ہوں۔یہ میرا نیا نمبر ہے۔کیا ہم تھوڑی بات کر سکتے ہیں' حالم؟''

تالیہ لمحے بھر کو بالکل سن رہ گئی۔

اس سارے گورکھ دھندے میں اسے ایک بات بالکل بھول گئی تھی۔

اگر وان فاتح تالیہ کی ساری اچھائیاں بھول چکا ہے تو اسے حالم کی شناخت بھی یاد نہیں رہی تھی۔

وہ تالیہ پہ اعتبار نہیں کرتا تھا' مگر حالم پہ کرتا تھا۔

''شیور' فاتح صاحب۔''اس نے ٹیک لگائی اور پیر لمبے کر کے قینچی صورت میز پہ رکھے' پھر سنہری لٹ کو انگلی پہ مروڑتی' چھت پہ چمکتے فانوس کو دیکھتے ہوئے بولی۔''حالم آپ کے لئے کیا کر سکتا ہے؟''

کھیل تو ابھی شروع ہوا تھا۔

☆......☆......☆

وان فاتح کے گھر کے لان کا منظر بدلا ہوا تھا۔کیٹرنگ والے ہر چیز کا صفایا کر کے جا چکے تھے اور لان اصلی حالت پہ واپس آ چکا تھا۔اندر لاؤنج میں سناٹا تھا۔گھر ذرا بکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ایسے میں فاتح اپنے کمرے سے نکلا۔رات کی مناسبت سے اس نے ٹراؤزر پہ سادہ ٹی شرٹ پہن رکھی تھی اور پیروں میں سلیپرز تھے۔وہ عصرہ کے ادھ کھلے دروازے پہ رکا اور کھٹکھٹایا۔

سامنے عصرہ میز پہ کاغذ اور لیپ ٹاپ پھیلائے حساب کتاب میں سر دیے بیٹھی تھی۔آہٹ پہ سر اٹھایا اور مسکرائی۔''تقریباً سب کچھ بک گیا۔نیلامی نفع بخش رہی۔تھینکس ٹو تالیہ۔''

''وہی تالیہ جس نے تمہارے بقول ہماری فائل چرائی تھی۔''

عصرہ لمحے بھر کو خاموش ہوئی' پھر کندھے اچکا دیے۔''اپنی آنکھوں سے تو میں نے نہیں دیکھا تھا اسے فائل چراتے ہوئے۔ میں نے تو صرف کہا تھا کہ وہ اپنی کار لینے ہمارے گھر ہماری غیر موجودگی میں آئی تھی۔تم نے ہی فرض کر لیا تھا کہ فائل اس نے چرائی ہوگی۔''

''خیر....فائل میرے پاس واپس آ گئی ہے اس لئے میں اس قصے کو فی الوقت نہیں چھیڑ رہا۔'' پھر وہیں چوکھٹ پہ ہاتھ رکھے رکھے ٹھہرا۔''امید ہے تم اپنا وعدہ یاد رکھو گی۔''

''میں نے امریکہ جانے کی بات نہ کرنے کا وعدہ کیا تھا' فاتح۔تمہارے کسی بھی الیکشن میں تمہیں سپورٹ کرنے کا نہیں۔اس کی توقع مجھ سے نہ رکھنا۔'' وہ قطعی انداز میں بولی۔

''شب بخیر' عصرہ!'' اس نے ڈور ناب سے دروازہ اپنی طرف کھینچا اور اسے بند کر دیا۔چہرے پہ گہری سوچ چھا گئی تھی۔

کچھ دیر بعد وہ اوپر اپنی اسٹڈی کی کھڑکی میں کھڑا تھا۔ٹھنڈے شیشے پہ ایک ہاتھ رکھے' دوسرے سے موبائل کان سے لگائے وہ نیچے نظر آتی اندھیر کالونی کو دیکھتے حالم کو سن رہا تھا۔

''حالم آپ کے لیے کیا کر سکتا ہے' فاتح صاحب؟''

''تم نے مجھے کہا تھا کہ میری فائل تالیہ نے چرائی تھی۔کیا تمہیں یقین ہے؟''

بنا توقف کے حالم کی مردانہ آواز گونجی۔''تمام ثبوت تو اس کی طرف ہی اشارہ کرتے ہیں۔یہ آپ کے کسی ملازم کی حرکت نہیں ہے۔صرف تالیہ مراد وہ اجنبی تھی جو آپ کے گھر آئی تھی اور جو اشعر محمود کے گھر اور آفس بھی آتی جاتی رہی تھی۔''

''ہوں۔میرا بھی یہی خیال ہے۔لیکن کیوں' حالم؟ سن باؤ کے گھر میں ایسا کیا ہے جو اس کو چاہیے؟''

''میں پتہ کر کے بتا سکتا ہوں۔''

''نہیں تم اس کو چھوڑو۔ایک آدمی کی تفصیلات تمہیں بھیج رہا ہوں۔اس نے میری بیوی سے گھائل غزال خریدی ہے' مگر وہ پینٹنگ دراصل....'' اس نے مختصراً سارا واقعہ کہہ سنایا۔

''ٹھیک ہے' سر۔میں اس آدمی کو چیک کرتا ہوں۔آپ کو کس پہ شک ہے۔''

''پچھلی دفعہ میں نے تالیہ مراد پہ شک کا اظہار کیا تو تم نے بھی اسی کا نام لے دیا۔اس لئے میں اپنا شک محفوظ رکھوں گا۔مجھے ثبوت چاہیے۔'' وہ نرمی سے کہہ رہا تھا اور اس نرمی کے اندر خشکی بھی تھی۔

''آپ مجھے ہمیشہ مخلص اور نیک نیت پائیں گے' فاتح صاحب۔'' پھر حالم نے توقف کیا۔

''کچھ اور؟''

''اتوار کی رات ملاکہ میں میرے ساتھ ایک حادثہ ہوا ہے۔''

''کیسا حادثہ؟''

''تم انویسٹی گیٹر ہو' حالم۔ تم تحقیقات کر کے مجھے بمع ثبوت آگاہ کرو کہ میرے ساتھ اتوار کی رات کیا ہوا تھا اور کس نے کیا تھا؟''

''کیوں؟ کیا آپ کو نہیں یاد کہ آپ کے ساتھ کیا ہوا تھا؟''

''اگر میں کہوں کہ ایک پوری رات میری یادداشت سے محو ہو چکی ہے تو تم کیا کہو گے؟''

''یہی کہ آپ ایک سچے انسان ہیں۔''

اور کال کٹ گئی۔

فاتح نے کھڑکی سے ہاتھ ہٹایا تو اس پہ پانچ انگلیوں کا نشان ثبت ہو چکا تھا۔ اس نے گہری سانس لی تو دھواں سا شیشے پہ بکھر گیا اور وہ نشان دھندلا ہو گیا۔ دھندلے شیشے کے پار نیچے سیاہ رات میں ڈوبی کالونی خاموشی سے وقت گزرنے کا انتظار کرتی رہی۔

☆......☆......☆

باریسن نیشنل کا آفس دیکھ کے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس کے فرش تلے ایک بڑا سا مال بنا ہے کہاں دفتری ماحول کے برعکس' رنگوں اور روشنیوں کی بہار ہے۔

مال کی گیلریز میں شاپنگ کرتے لوگ ٹہل رہے تھے۔ دکانیں کھل چکی تھیں اور فوڈ کورٹ میں کھانے کی خوشبو پھیلی تھی۔

ایسے میں اشعر محمود مسکراتا ہوا فوڈ کورٹ کی طرف چلتا آ رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کی رفتار سے بمشکل ملتا رملی ہانپتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

''سر.... جعفر صاحب.... وہ خریدار.... بہت سیخ پا ہیں۔ قانوناً ان کو پینٹنگ کی قیمت ادا کرنی ہو گی۔ ہم نے ان سے وعدہ کیا تھا کہ پینٹنگ نقلی ہو گی اور....''

اشعر ایک دم رکا اور اس کی طرف گھوما۔ رملی بھی ہڑبڑا کے رکا۔ اشعر نے اس کے سینے پہ انگلی رکھی۔ ''میں نہیں.... تم.. ! تم نے وعدہ کیا تھا اس سے۔'' دانت پیس کے مسکراتے ہوئے اسے گھورا۔ ''واللہ اگر اس آدمی کا مجھ سے کوئی بھی تعلق ثابت ہوا تو تمہیں اس مال کی چھت سے کود جانے پہ مجبور کر دوں گا۔''

''نہیں ہو گا سر۔ کبھی نہیں ہو گا۔'' وہ جلدی سے کہنے لگا۔ دونوں آمنے سامنے فوڈ کورٹ کے دہانے پہ کھڑے تھے اور اطراف میں لوگ آ جا رہے تھے۔

''میں نے ہر چیز بہترین انداز میں پلان کی تھی اور....''

''ہاں تبھی عین وقت پہ پینٹنگ کا راز کھل گیا۔ ایڈیٹ!'' اشعر مصنوعی مسکراہٹ برقرار رکھے پھر سے چلنے لگا تو رملی پیچھے لپکا۔

''سر! وہ چے تالیہ نے پتہ نہیں کیسے....''

''چے تالیہ دکھاوے کی شوقین بگڑی امیر زادیوں میں سے ہے۔اس کے پاس اصلی پینٹنگ تھی تو اس نے دکھاوا کرنا ہی تھا۔اپنی ناکامی اس کے سرمت ڈالو۔''

پھر ہاتھ جھلا کے اسے دفعان ہونے کا اشارہ کیا تو رملی گہری سانس بھر کے وہیں رک گیا اور اشعر آگے بڑھتا گیا۔مسکراہٹ کو مزید گہرا کرلیا اور ٹائی کی ناٹ درست کی۔سرمئی سوٹ اور سفید شرٹ میں وہ ہمیشہ کی طرح وجیہہ لگ رہا تھا۔

فوڈ کورٹ میں ایک میز پہ تالیہ بیٹھی نظر آرہی تھی۔سنہرے بالوں کا جوڑا بنائے' وہ گرے اسکرٹ پہ سفید منی کوٹ پہنے' گردن میں گرے رومال کی گرہ باندھے بیٹھی' کافی کے گھونٹ پی رہی تھی۔ایک گھنگریالی لٹ گال پہ جھول رہی تھی۔اشعر کو آتے دیکھ کے مسکرا کے لٹ پیچھے کی اور کپ رکھا۔

''مجھے امید نہیں تھی کہ آپ کی صبح کا مطلب واقعی صبح ہوگا۔'' وہ ہشاش بشاش سا کہتا سامنے بیٹھا۔

''مجھے وعدے اور دوستی' دونوں کو نبھانا آتا ہے۔اشعر صاحب۔'' وہ مسکراتی ہوئی تازہ دم سی لگ رہی تھی۔

''سب سے پہلے' تالیہ....'' اشعر نے دونوں ہاتھ اٹھا کے کہا۔'' آپ کا بہت شکریہ....کل آپ نے ہمارے خاندان کو جس کرائسز سے بچایا....آبنگ (بھائی) نے تو ٹھیک سے شکریہ کہا نہیں ہوگا' اس لئے میں....''

''شکریہ کہنا تو درکنار' وہ تو آخر میں بھی مجھ سے خفا ہی تھے۔'' اس نے اداسی سے سر جھٹکا اور کپ اٹھا لیا۔پھر رکی۔'' آپ کافی لیں گے؟''

''نہیں' شکریہ۔جب آپ کا ٹیکسٹ ملا میں کافی ہی پی رہا تھا۔خیر آبنگ خفا کیوں تھے؟''

''کیونکہ انہوں نے عصرہ کو کسی سے یہ بات کرنے سے منع کیا تھا اور میں نے آپ کو بتا دیا۔آپ تو فیملی ہیں نا۔مطلب وہ آپ کو کیونکر اپنے دائرے سے نکال سکتے ہیں؟'' اس نے خفگی سے سر جھٹکا اور گھونٹ بھرا۔

اشعر مسکراتا رہا البتہ اس کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھری۔

''انہوں نے جلد یا بدیر مجھے بتانا ہی تھا۔ہم ایک فیملی ہیں۔''

''ظاہر ہے ان کو بتانا چاہیے تھا۔اب اگر وہ عرب شہزادہ حقیقتاً شہزادہ نہیں تھا تو اس میں آپ کا کیا قصور؟ لیکن میں نہیں چاہتی کہ آپ کے بہنوئی اور آپ کے درمیان کوئی بدگمانی پیدا ہو۔آپ اپنے فیس بک سے وہ تصویر اتار دیں۔''

''کون سی تصویر؟'' وہ چونکا۔تالیہ نے جواب میں حیرت سے اسے دیکھتے کپ نیچے رکھا۔

''ارے۔ایک سال پہلے کی ایک سفارتخانے کی تقریب کی تصویر جس میں آپ شہزادہ جاسم کے ساتھ کھڑے نظر آرہے ہیں اور

ساتھ میں اس کا وہ مینیجر بھی ہے جو عرصہ سے شہزادہ جاسم بن کے ملا اور بعد میں اس کے مالک نے کہہ دیا کہ یہ میرا کزن ہے۔ اگر فاتح صاحب نے وہ تصویر دیکھی تو وہ بدگمان ہو جائیں گے حالانکہ دیکھا جائے تو آپ دن میں سینکڑوں لوگوں سے ملتے ہیں۔ آپ کو ہر ایک کی شکل تھوڑی یاد رہتی ہو گی۔“

اشعر نے بدقت مسکراہٹ قائم رکھی۔”میں نہیں جانتا آپ کس تصویر کی بات کر رہی ہیں۔لیکن میں نے کچھ کیا ہی نہیں تو میں کوئی تصویر کیوں اتاروں؟“ وہ پر اعتماد تھا۔”اور آبنگ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں‘ وہ کبھی میرے لئے اتنا برا نہیں سوچ سکتے۔“

”اوہ...پھر میں مطمئن ہوں۔“ پھر جیسے یاد آیا۔”شاید وہ تصویر آپ کے نہیں‘ کسی ٹوارزم کے پیج پہ دیکھی تھی میں نے۔خیر جانے دیں۔“

اردگرد ٹہلتے لوگ‘ مال کی رونقیں‘ اشعر کو اپنے اور اس کے درمیان پھیلے تناؤ میں کچھ یاد نہیں رہا تھا۔وہ جبراً ہنوز مسکرائے جا رہا تھا۔

”خیر آپ مجھ سے کیوں ملنا چاہتے تھے؟“ وہ معصومیت سے بولی تو اشعر نے اطراف میں دیکھا۔

”تھوڑی دیر قبل میں شاید کہتا کہ ناشتے کے لئے۔یہاں کارنر والا ریستوران میرا پسندیدہ ہے....مگر آپ شاید ناشتے کی بجائے بات چیت کرنا چاہیں گی۔تو کیوں نا آپ بتائیں....چے تالیہ....کہ کل رات والے آپ کے ”احسان“ کے بدلے میں میں کیا کر سکتا ہوں آپ کے لئے؟“

وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کے پوچھ رہا تھا۔وہ دونوں جانتے تھے کہ وہ کل رات والے احسان کی نہیں‘ اس تصویر کو فاتح کو نہ دکھانے کی بات کر رہا تھا۔

”میرے پاس دولت‘ مقام‘ جائیداد سب ہے‘ اشعر صاحب۔لیکن ہاں‘ ایک چیز ہے جو آپ مجھے دلوا سکتے ہیں۔“ وہ کہنیاں میز پہ جمائے آگے ہوئی۔

”حکم کیجیے۔“

”مجھے باریسن نیشنل ....“ ابرو سے چھت کی طرف اشارہ کیا۔مال کی چھت سے اوپر ایک فلور باریسن نیشنل کا ہیڈ آفس تھا۔”...میں جاب چاہیے۔“

”جاب؟ واقعی؟“ اس نے تعجب سے ابرو اچکائے۔”آخری دفعہ جب ہم میرے آفس میں ملے تھے تو آپ نے کہا تھا آپ کو سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں۔“

”اس بات کو ایک زمانہ بیت گیا ہے۔“

”چھے دن بھی نہیں گزرے‘ تالیہ۔خیر۔میں سمجھ سکتا ہوں۔آپ سوشل ورک کی شوقین ہیں اور آپ کو لگتا ہے کہ آپ سیاسی پارٹی میں یہ کام کر سکتی ہیں۔اچھی سوچ ہے مگر یہ یاد رکھیے گا کہ سیاسی پارٹی میں کام کرنے پہ آپ کو ملے گا کچھ نہیں۔“

''تو آپ کیوں کرتے ہیں؟''

''کیونکہ صرف دو عہدے ایسے ہیں جو pay back کرتے ہیں۔ایک سیاستدان ہونا یا دوسرا کسی سیاستدان کا کنگ میکر ہونا۔ایک میں ہوں اور ایک میں رہ چکا ہوں۔اس کے علاوہ تمام جابز بے کار ہیں۔''

''تو کوئی بے کار جاب ہی دلوا دیں آپ مجھے۔کوئی اعلیٰ عہدہ۔''اس نے کافی پیتے ہوئے شانے اچکائے۔

اشعر نے تھوڑی کو ناخن سے رگڑتے سوچا۔''فنانس ڈیپارٹمنٹ میں' یا میڈیا اسٹریٹجی کمیٹی میں آپ کو بہت اچھی جاب مل سکتی ہے۔آپ کو میڈیا اسٹریٹجی میں ہونا چاہیے۔سیلری بھی اچھی ہوگی اور جاب بھی اسٹیٹس والی ہے۔آپ سی وی لائی ہیں؟''

''جی۔بالکل۔''اس نے پرس کی طرف اشارہ کیا۔

''او کے تو پھر میرے ساتھ اوپر آئیں۔''وہ اٹھتے ہوئے بولا۔ساتھ ہی کوٹ کا بٹن بند کیا۔

''مگر امید ہے ایک بات آپ کو اچھی طرح معلوم ہوگی کہ میں باریسن نیشنل میں کسی کو جاب نہیں دے سکتا۔میں صرف سفارش کر سکتا ہوں۔''

''میں جانتی ہوں۔''وہ بھی مسکرا کے پرس اٹھاتے ہوئے کھڑی ہوئی۔''اگر کوئی آوٹ آف دی وے جا کر مجھے ایک اچھی پوسٹ پہ ہائر کر سکتا ہے تو وہ وان فاتح ہے۔اور میں چاہتی ہوں کہ آپ میری سفارش کریں تاکہ وہ انکار نہ کر سکیں۔''اس کا انداز قطعی اور حتمی تھا۔

''شیور۔آبنگ آفس میں ہوں گے۔چلیں۔ان سے ابھی بات کر لیتے ہیں۔''وہ فوراً تیار ہو گیا تھا۔اسے فاتح کے آفس میں صرف اشعر کی سفارش سے جاب مل سکتی تھی اس لیے وہ نہیں چاہتی تھی کہ فاتح یہ جان پائے کہ اشعر نے گھائل غزال والی حرکت کی تھی۔ اشعر محمود اس بات کو بخوبی سمجھ رہا تھا اور پہلی دفعہ اس کی رائے تالیہ کے بارے میں بدل رہی تھی۔

☆......☆......☆

مرغی آج صبح سے ہی مسلسل کٹ کٹا رہی تھی۔چوزے چوں چوں کرتے باغیچے میں بھاگتے پھر رہے تھے۔بلی نے صبح حملے کی کوشش کی تو ایڈم کی ماں نوکیلی تار لے آئی اور چھوٹی دیواروں کی منڈیر پہ لگانے لگی۔اسکارف لپیٹے' آستین چڑھائے' ایبو ٹھنڈی میٹھی دھوپ میں کھڑی تار لگا رہی تھی۔دفعتاً کسی احساس کے تحت پیچھے دیکھا تو ایڈم کو برآمدے کے اسٹیپ پہ بیٹھے پایا۔وہ نوٹ پیڈ گھٹنوں پہ رکھے' قلم کا کنارہ لبوں پہ دبائے دور افق کو دیکھ رہا تھا۔ابھی تک شب خوابی کی رف ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔

''کیا لکھ رہے ہو؟''

''اپنے اردگرد کے ماحول کا گہرے مشاہدہ کر کے کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔سوچ رہا ہوں' کیا لکھوں۔''

''اصلی لکھاری لوگوں کو قلم اور کاغذ اٹھانے سے پہلے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کیا لکھنا ہے، اگر وہ خالی کاغذ کو گھوریں تو یا ان کا

موڈ نہیں یا وہ لکھاری نہیں۔"

"اور تمہیں لکھاریوں کے بارے میں اتنا کیسے معلوم' ایبو؟"

"تمہارے تایا کسی زمانے میں شاعری کرتے تھے۔ ان کی چائے قہوے بناتے بناتے اتنی سمجھ تو آ ہی گئی تھی۔" وہ اس کی طرف پشت کیے تار لپیٹ رہی تھی۔

ایڈم نے سست روی سے ہاتھ کی پشت سے جمائی روکی۔ پھر اداسی سے دور آسمان کو دیکھنے لگا۔" کہانی لکھنا چاہ رہا ہوں' ایبو۔"

"یہ تمہیں لکھنے کا شوق کب سے ہو گیا۔"

"جب سے ملاکہ گیا ہوں' تب سے۔"

"میں دیکھ رہی ہوں' ایڈم۔ جب سے واپس آئے ہو بدلے بدلے لگ رہے ہو۔ کوئی بات ہے کیا؟" وہ میخ کے ساتھ تار کو لپیٹ کے گرہ باندھتے ہوئے بولی۔

"نہیں۔ میں تو ویسا ہی ہوں۔" اس نے نظریں چراتے ہوئے کندھے اچکائے۔ مرغی کٹ کٹاتی ہوئی اس کے قدموں کے قریب آ کھڑی ہوئی۔ چوزوں کا غول بھی پیچھے لپکا۔

"پھر اس لکھنے کے شوق کو چھوڑو اور نوکری تلاش کرو۔ بغیر نوکری کے فاطمہ کے گھر والے شادی نہیں کریں گے' ایڈم۔ اور شادی میں صرف دو ماہ رہتے ہیں۔"

"پیسے آ جائیں گے' ماں۔ بہت جلد۔" اس نے بے پروائی سے کہا اور پیڈ پہ جھک گیا۔ قلم کھولا اور الفاظ اتارنے لگا۔

ایبو نے تار کا آخری سرہ باندھا اور پھر ستائش سے اسے دیکھا۔ دیوار کی منڈیر پہ سرحدی علاقے جیسی گول گول تار لگ چکی تھی۔ اب بلی کوئی جسارت کر کے تو دکھائے۔

"ایبو۔" ایڈم کا دماغ بھٹکنے لگا تو اسے پکارا۔ وہ مڑ کے اسے دیکھنے لگی۔ نکھری دھوپ میں برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھا ایڈم بن محمد غمزدہ لگ رہا تھا۔ کسی اور کے لئے غمزدہ۔

"اگر کوئی انسان کسی دوسرے کو بھول جائے.... ایسے بھول جائے جیسے یادداشت کھو جاتی ہے۔ جیسے سمندر میں جہاز ڈوب جاتا ہے۔ اور دوسرا انسان مسلسل تکلیف میں ہو تو اس دوسرے کو کیا نصیحت کرنی چاہیے؟"

"دوسرا تکلیف میں کیوں ہے؟" ایبو اس کے سامنے آ رکی اور غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"دوسرے کو پہلے سے محبت تھی اور اب اس کی بے اعتنائی اس کے لئے تکلیف بن رہی ہے۔"

"اور تیسرا کیا چاہتا ہے؟"

ایڈم نے چونک کے اس کو دیکھا۔ وہ تیز دھوپ میں کھڑی تھی اس لئے اس کا چہرہ واضح دکھائی نہ دیتا تھا۔

''تیسرا بس یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کو تکلیف نہ ہو۔''

''پھر اس کو چاہیے کہ دوسرے کو بتائے کہ زندگی میں ایسا ہو جاتا ہے۔ کبھی جو دل کے بہت قریب تھا' وہ یوں بے پرواہ ہو جاتا ہے جیسے ہم اس کے پیر کی خاک برابر بھی نہ تھے۔ لوگ ہمیں بھول کے اپنی زندگیوں میں آگے بڑھ جاتے ہیں اور ہم ان کی بے اعتنائی سے مسلسل اذیت میں رہتے ہیں۔''

''تو ایسے وقت میں کیا کیا جائے؟''

''یہ سمجھ لیا جائے کہ کوئی تیسرا یا چوتھا کسی دو لوگوں کے رشتے کو تڑوا نہیں سکتا۔ رشتوں کو وہ دو لوگ خود بھی نہیں توڑتے۔ یہ ہمارا مالک ہوتا ہے' ہمارا اللہ تعالیٰ جو لوگوں کو ہماری زندگی میں لاتا ہے اور ہمارے دلوں میں ان کی محبت ڈالتا ہے۔ وہی ہنساتا ہے' وہی رلاتا ہے۔ وہی مردہ ہوئے دلوں کو محبت سے زندہ کرتا ہے اور وہی ان لوگوں کو پھر ہماری زندگی سے لے بھی جاتا ہے۔ دل اللہ کے ہاتھ میں ہوتے ہیں۔ وہی ان کو الٹا تا پلٹا تا رہتا ہے۔''

''اللہ تعالیٰ ایسا کیوں کرتا ہے؟''

''کیوں کا جواب ڈھونڈنے سے اذیت کم تو نہیں ہو جائے گی' بیٹا۔ جسم میں تکلیف ہو تو ہم جان جاتے ہیں کہ کوئی شے درد دے رہی ہے۔ پھر ہم اس شے کو جسم سے دور کرنے کی سعی کرتے ہیں۔ کبھی دوا لے کر' کبھی چبھا ہوا کانٹا نکال کے' کبھی گرم توے سے ہاتھ دور لے جا کے۔ جب بھی کچھ تکلیف دیتا ہے تو ہمیں اپنے آپ کو اس سے دور کرنا ہوتا ہے۔''

''میں انسانی رشتوں کی بات کر رہا ہوں۔ محبتوں کی۔''

''محبت تو راحت دیتی ہے' تکلیف نہیں۔ اور اگر یہ تکلیف دینے لگے تو یہ بھی ایک نشانی ہوتی ہے کہ خود کو اذیت دینے والے شخص سے دور کرنے کا وقت آن پہنچا ہے۔''

''کیا فرار اس کا واحد حل ہے؟ جس سے محبت ہے اس کو نہ دیکھو' اس سے دور چلے جاؤ۔ کیا ایسے دلوں کے روگ ٹھیک ہو جاتے ہیں؟''

''اکثر کے ہو جاتے ہیں۔''

''میں چاہتا ہوں' وہ اس سے دور چلی جائے تاکہ اس کے دل کا روگ دور ہو سکے مگر اس نے اسے ایسی مجبوری اور وعدے کے رشتے میں باندھ دیا ہے کہ وہ تکلیف سہتی رہے گی مگر اس کے ساتھ رہے گی۔ اور ساتھ رہنے کے بہانے ڈھونڈے گی۔ وہ ایسے کانٹے کی طرح ہے جو اس کے دل میں چبھا ہے مگر وہ اسے نکال کے تکلیف کو کم بھی نہیں کر سکتی۔'' وہ اب باغیچے میں بھاگتے چوزوں کے ننھے پیروں کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”تو پھر تیسرے کو چاہیے کہ ان دونوں کو ان کے حال پہ چھوڑ کے اپنی تکلیف کی فکر کرے۔“

ایڈم نے سر جھٹکا اور پھر نگاہیں چرا کے چہرہ کاغذ پہ جھکا دیا۔

”شکریہ ماں۔ مجھے لکھنے کے لئے موضوع مل گیا ہے۔“ وہ ماں سے نظر ملائے بغیر تیز تیز قلم کاغذ پہ گھسیٹنے لگا۔ ایبو دونوں پہلوؤں پہ ہاتھ رکھے افسوس سے اسے دیکھتی رہی ۔

☆......☆......☆

جس وقت اشعر محمود نے آفس کا دروازہ کھولا' فاتح اپنی کرسی سے اٹھ کے کافی ٹیبل کی طرف جا رہا تھا۔ کوٹ اسٹینڈ پہ ٹنگا تھا اور وہ سفید شرٹ اور اسٹرائپ والی ٹائی میں ملبوس تھا۔ دروازہ کھلنے پہ گردن موڑ کے دیکھا۔ اشعر کو وہاں پا کے ہلکا سا مسکرایا اور کافی اسٹینڈ تک آیا۔

”خیریت؟“

”میرا ایک کام کرنا ہے آپ کو۔“ اشعر بشاشت سے کہتا سامنے آیا اور کھڑے کھڑے بولا۔ ”کسی کو جاب چاہیے اور میں چاہتا ہوں کہ آپ اس کو ہمارے آفس میں کوئی اونچا عہدہ دیں۔ ڈیپارٹمنٹ ہیڈ بنا دیں یا کوئی بھی اچھی جاب۔ آپ یہ کر سکتے ہیں۔“

فاتح نے پانی کی بوتل اٹھائی اور ڈھکن انگلیوں سے گھما کے کھولا۔ ”میرٹ بنتا ہے اس کا؟“

”وہ ٹیلنٹڈ بھی ہے اور اہل بھی۔ مجھے یقین ہے وہ بہت اچھا اضافہ ثابت ہوگی۔“ وہ وہیں میز کے کنارے کھڑا کہہ رہا تھا۔

”ایش.... یوں ایک دم کسی کو رکھنا آسان نہیں ہوتا۔ مجھے ایچ آر کو مطمئن کرنا ہوگا۔ پھر ایتھکس کمیٹی کو بھی مسئلے ہو جاتے ہیں اس طرح کی تقرریوں سے۔“ کہتے ہوئے فاتح نے کافی میکر کا ڈھکن اٹھایا اور بوتل اس کے اندر انڈیلی۔ پانی کی دھار گرنے لگی تو وہ بوتل اوپر لے گیا۔ کافی اوپر۔ پانی اب لمبی دھار کی صورت نیچے گرتا خانے کو بھر رہا تھا۔ اشعر نے گردن اونچی کر کے پہلے اس کے ہاتھوں کی مہارت دیکھی۔ پھر اس کو دیکھا۔

”آبنگ.... صاف بات کرتے ہیں۔ میں نے اتنے سالوں میں آپ کے کہنے پہ بہت سے غریب لوگوں کو اپنی فرم میں نوکریاں دی ہیں۔ پارٹی میں کارکنوں کو اپنی طاقت کے مطابق اکوموڈیٹ کرتا رہتا ہوں۔ اس لئے مجھے آپ ایچ آر کے حوالے مت دیں۔ مجھے زبان دیجئے کہ آپ میری امیدوار کو ایک بہت اچھی جاب دلوا دیں گے۔ اپنے آس پاس۔“ وہ دوٹوک انداز میں بولا۔

”شیور۔ میں اس کی اہلیت کے مطابق اس کو یہاں جاب دلوا دوں گا۔ اسے بھیجو۔“

پھر فاتح نے کین کھول کے کافی نکالی اور کافی میکر کے اندر الٹی ۔ ہر خانے کو جگہ پہ فکس کیا' اور بٹن آن کیا۔ اسی دوران دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز آئی تھی۔ وہ بوتل اور فلٹر پیپرز کو اپنی جگہ پہ سیٹ کر کے اسی بے نیازی سے مڑا تو دیکھا۔

اشعر کے ساتھ وہاں تالیہ کھڑی تھی۔ گردن میں رومال کی گرہ لگائے' سنہرے بالوں کو جوڑے میں سمیٹے' وہ سادگی سے کبھی اس کو

دیکھتی کبھی اشعر کو۔فائل سینے سے لگا رکھی تھی۔

وان فاتح نے دونوں ابرو اٹھا کے اسے دیکھا۔

''سیریئسلی؟'' پھر جیسے تعجب سے سر جھٹک کے ہنسا۔

''تالیہ....آبنگ نے مجھے زبان دی ہے کہ وہ تمہیں اپنے قریب بہت اچھی جاب دلوا دیں گے۔'' ساتھ ہی اشعر نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی تو فاتح نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

''ٹھیک ہے' تم جاؤ۔اور تاشہ....تم بیٹھو۔''

اشعر نے جانے سے قبل اس کی آنکھوں میں دیکھ کے یاد دہانی کروائی' جیسے کہہ رہا ہو۔(آبنگ....آپ یہ ضرور کریں گے کیونکہ میں بھی آپ کے کام کرتا رہا ہوں۔) فاتح نے خاموشی سے اثبات میں سر کو جنبش دی۔

وہ دونوں کمرے میں تنہا رہ گئے تو تالیہ کرسی پہ بیٹھی اور فائل سامنے رکھ دی۔کندھے اور گردن سیدھی رکھے' اب وہ خود اعتمادی سے فاتح کو دیکھ رہی تھی۔

''تو تمہیں بی این (باریسن نیشنل) میں اچھی جاب چاہیے؟'' عینک لگاتے ہوئے سامنے کرسی پہ بیٹھا اور فائل اٹھا کے کھولی۔انداز پروفیشنل ہو گیا۔رات والے واقعے کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔

''جی' سر!''

''ہوں!'' وہ اس کے کاغذات کو پڑھ رہا تھا۔کونے میں رکھے کافی میکر سے پانی ابلنے کی آواز آنے لگی تھی۔

''ماسٹرز میں تم نے پولیٹیکل سائنس یا آئی آر یا سوشیالوجی نہیں پڑھی لیکن کوئی بات نہیں۔'' اس نے صفحہ پلٹایا۔''تمہارے مارکس اچھے تھے۔لاہور سے کیا تھا تم نے ماسٹرز!'' وہ خود کلامی کے انداز میں کہہ رہا تھا۔''کے ایل سے تم نے چند آرٹ کورسز کیے ہیں۔پینٹنگز اور مجسمے بنا سکتی ہو۔رائفل شوٹنگ کا کورس' جمناسٹک۔ہوں۔''

پانی ابلنے کی آواز بلند ہوئی تو کافی کی مہک اس کے نتھنوں سے ٹکرانے لگی۔وہ خاموشی سے اس کو اپنی فائل پڑھتے دیکھے گئی۔

''سی وی اتنی متاثر کن نہیں ہے تمہاری لیکن اشعر سے وعدہ کیا ہے میں نے۔'' اب اس نے واپس پہلا صفحہ پلٹایا اور رک کے اس کا نام پڑھا۔''تالیہ مراد بنت مراد راجہ۔'' پھر عینک کے اوپر سے آنکھیں اٹھا کے اسے دیکھا اور مسکرایا۔

''تمہارے دادا کو بھی تمہاری طرح تاریخ سے دلچسپی تھی کیا؟ کیونکہ انہوں نے اپنے بیٹے کا نام ملاکہ سلطنت کے ایک بنداہارا کے نام پہ رکھا ہے۔''

تالیہ کی گردن میں گلٹی سی ڈوب کے ابھری مگر تاثرات ہموار رہے۔''مراد راجہ صرف سلطان مرسل شاہ کے بنداہارا کا نام نہیں تھا'

یہ عام سا نام ہے۔'' پھر توقف کیا۔''اور ویسے بھی بندا ہارا مراد راجہ اتنا مشہور نہیں کہ اس کے نام کے اوپر لوگوں کے نام رکھے جائیں۔'' آواز تلخ ہوگئی۔اندر جیسے اپنے باپ کے لئے غصہ ابلنے لگا۔

''مشہور ہونے کی بات نہیں ہوتی ' تاشہ ۔ مراد راجہ تاریخ کا ایک عظیم کردار تھا اور اس کو میرا خیال ہے لوگ misunderstand کرتے آئے ہیں۔وہ ایک اچھا اور honourable آدمی تھا۔مگر ہماری سوشلائٹ لڑکیوں کو تاریخ کی گہرائی میں جانے کا شوق نہیں ہوتا۔افسوس۔" فاتح کی نظریں فائل پہ جھک گئیں تو وہ بہت ضبط سے بولی۔

"تاریخ ویسی نہیں ہوتی جیسی مورخ قلمبند کرتے ہیں۔"

مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔

"تمہارے والد حیات ہیں؟" پھر یاد آیا۔"اوہ رائٹ، ان کی وفات ہو چکی ہے جس کے بعد تمہیں یہ سب ترکے میں ملا تھا۔عصرہ نے بتایا تھا۔خیر۔کیا کرتے تھے وہ؟"

"وہ سیاست دان تھے۔بہت دانا، بہت زیرک انسان تھے۔اور ان کی وفات نہیں ہوئی۔" فاتح نے چونک کے اسے دیکھا۔وہ سادگی سے کہہ رہی تھی۔"جب آخری دفعہ میں نے انہیں دیکھا تھا تو وہ زندہ تھے اور صحیح سلامت تھے۔ہاں، اب ان کی قبر بھی ہے اور وقت کی دھول میں وہ قبر ملیامیٹ ہو چکی ہوگی مگر میرے لیے وہ ابھی بھی زندہ ہیں۔"

"ہاؤ نائس!" اس نے بغیر اثر لیے صفحہ پلٹایا۔پھر کچھ پڑھ کر چونک کے اسے عینک کے اوپر سے دیکھا۔

"میریٹل اسٹیٹس۔میرڈ؟ تو تم شادی شدہ ہو؟ پھر ہم ابھی تک تمہارے شوہر سے کیوں نہیں ملے؟" فائل بند کرتے ہوئے عینک اتار کے رکھی اور پیچھے کو ٹیک لگائی۔تالیہ مراد کے اندر تک کانٹے سے چبھ گئے۔تکلیف بہت زیادہ تھی۔

"میں اور میرے شوہر۔ہم ساتھ نہیں رہتے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کے کہنے لگی۔وہاں کوئی جذبہ، کوئی بے چینی کچھ نہ تھا۔یادوں کے ساتھ احساس بھی مر گئے تھے۔

" کیوں؟" اس نے تعجب سے ابرو اکٹھے کیے۔

"ہم ایک لمبے سفر سے لوٹے تو میں نے جانا کہ وہ واپس نہیں آیا۔وہ ایک دوسرے سفر پہ نکل گیا۔شاید خودغرض تھا، شاید مجھے protect کرنا چاہتا تھا۔ساتھ بھی نہیں رہا اور چھوڑا بھی نہیں۔اب اس کے آگے اونچی منزلیں ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ وہ ان کو پا لے۔"

کرسی پہ ٹیک لگائے، گال تلے انگلی رکھے بیٹھے فاتح نے سوچنے والے انداز میں پوچھا۔"واپس آئے گا کیا؟"

وہ مسکرائی اور آگے کو جھک کر اس کی آنکھوں میں جھانکا۔"میں تالیہ بنت مراد راجہ ہوں۔اگر وہ خود سے واپس نہ آیا تو اس کو گردن سے دبوچ کے واپس کھینچ لاؤں گی۔پھر چاہے مجھے کسی کی قبر بنانی پڑے یا پرانی قبر کھودنی پڑے، ایک بات تو طے ہے کہ تالیہ کی ہمت نہیں

ٹوٹے گی۔"

"او کے کول..خیر... باریسن نیشنل میں کیوں کام کرنا چاہتی ہو؟ حالانکہ تم جانتی ہو میں تمہیں بالکل پسند نہیں کرتا۔"

ابلتی کافی قطرہ قطرہ جگ میں گر رہی تھی اور اس کی کڑوی خوشبو سارے آفس میں پھیل چکی تھی۔

(میں چاہتا ہوں وہ میرے ساتھ رہے کیونکہ اسے میری اور مجھے اس کی ضرورت ہے۔ چار ماہ قبل میں تالیہ کو ایک بددیانت اور سطحی سوشلائٹ کے طور پہ جانتا تھا جس نے میری فائل چرائی تھی۔ اگر چیزیں واپس اسی مقام پہ پہنچ جائیں، تب بھی یہی چاہوں گا کہ وہ میرے ساتھ رہے۔ بھلے میں اسے ناپسند کروں، اسے دھتکاروں مگر میں چاہتا ہوں کہ وہ تب بھی میرے ساتھ رہے۔ امید ہے اسے وعدے نبھانے آتے ہوں گے۔)

اس نے بہت سی کڑوی مہک اندر اتاری اور مسکرا کے گویا ہوئی۔

" آپ کے ساتھ کام کرنا میری سی وی کو چار چاند لگا دے گا۔ کچھ عرصے کی جاب سے مجھے مستقبل میں بہتر جابز مل جائیں گی۔ اور میں ایک اعلیٰ عہدہ اس لیے بھی چاہتی ہوں کیونکہ مجھے لیڈ کرنے کی عادت ہے، لیڈ ہونے کی نہیں۔ مجھے boss lady بن کے حکم چلانا اچھا لگتا ہے۔ میرا خیال ہے میں ماتحتی کرنے کی بجائے ایک اچھی پروجیکٹ ہیڈ بن سکتی ہوں۔ مجھے سیاست کی سمجھ بوجھ بھی ہے اور مجھے عالمی سیاست سے دلچسپی بھی ہے۔ آپ مجھے کام دیں، میں ہر کام کر سکتی ہوں۔"

"اعلیٰ عہدے کا مطلب ہے، کام کا بہت زیادہ بوجھ۔ اور جہاں تک میں اپنے معاشرے کو جانتا ہوں، نازک سوشلائٹس دن کے بارہ بجے اٹھتی ہیں اور ان کی ساری زندگی شام کو ہونے والی پارٹی کا گاؤن منتخب کرنے تک محدود رہتی ہے۔ اگر میں تمہیں کوئی بہت بڑا عہدہ دے بھی دوں تو کیا تم کام کر لو گی؟'' وہ سنجیدہ تھا۔

کافی ابل ابل کے جگ کو بھر چکی تھی اور پھر مشین ٹھنڈی پڑ گئی تھی۔

"میرا آپ سے وعدہ ہے کہ آپ مجھے جو کام جب بھی اور جتنا بھی دیں گے، میں بغیر شکایت کے اسے مکمل کر کے دوں گی۔ میں سب کر سکتی ہوں۔ آپ جلد جان جائیں گے۔"

"سو تمہارے کوئی سوشل ورک، لوگوں کی بہبود وغیرہ کے عزائم نہیں ہیں؟"

"میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ گو کہ مجھے بہت اچھی سیاسی سمجھ بوجھ ہے، مگر میں یہ نہیں کہوں گی کہ میں بی این میں اس لیے آنا چاہتی ہوں کہ ملائشیا جیسے ایک تیسری دنیا کے ملک کو دنیا کا بہترین ملک بنا دوں، وغیرہ وغیرہ، یا پھر۔۔۔"

" تیسری دنیا کیا ہوتی ہے تاشہ؟"

اس نے ایک دم پوچھا تو وہ بولتے بولتے رکی۔ ابرو بھینچ کے پوچھا۔ "سوری؟"

"تیسری دنیا کا ملک ہونے کا کیا مطلب ہوتا ہے؟" وہ کہتے ہوئے کھڑا ہوا، کرسی دھکیلی اور کافی ٹیبل تک گیا۔

"ترقی پذیر ملک۔ گو کہ ملائشیا اب ایسا نہیں ہے مگر میری بات کا مطلب تھا کہ۔۔۔"

"سرد جنگ ایک بہت طویل جنگ تھی جو ہماری دنیا میں ہوئی تھی۔ یہ دراصل جنگ نہیں تھی، بس امریکہ اور روس کے درمیان ایک تناؤ، ایک تلخی تھی کہ کس کا نظام بہتر ہے۔ امریکہ کا کیپیٹل ازم یا روس کا کمیونزم۔" وہ کیبنٹ کھول کے کافی کا مگ نکالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ تالیہ کرسی پہ ترچھی ہو کے اسے دیکھنے لگی۔

"ایک طرف مغربی بلاک تھا۔ امریکہ اور نیٹو ممالک کا۔ دوسری طرف مشرقی بلاک تھا۔ سوویت یونین (روس) اور اس کے اتحادیوں کا۔ کئی سال یہ دونوں بلاک اپنے نظام کو بہتر ثابت کرنے کی کوشش میں لگے رہے۔" اس نے کافی میکر کے اندر سے گرم جگ نکالا اور مگ میں اسے انڈیلا۔

"جن ممالک نے اس جنگ میں امریکہ کا ساتھ دیا، ان کو پہلی دنیا کے ممالک کہا جاتا تھا۔ جنہوں نے روس کا ساتھ دیا، وہ دوسری دنیا کے ممالک کہلائے اور۔۔" اس نے جگ کو مگ سے دو تین فٹ اوپر اٹھا دیا۔ لمبی سی سیاہ دھار نیچے گرتی دکھائی دے رہی تھی۔ تالیہ کی نظریں اس دھار پہ جم سی گئیں۔ اندر ہی اندر کچھ ڈوب کے ابھرا تھا۔ ابو الخیر کا بہترین غلام قہوے کو دھار کی صورت پیالے میں بھرا کرتا تھا۔

"اور جو ممالک نیوٹرل رہے۔۔۔ انہوں نے کسی کا ساتھ نہ دیا۔۔ ان کو تیسری دنیا کے ممالک کہا جاتا تھا۔" اس نے جگ رکھا اور مگ اٹھائے کرسی تک واپس آیا۔ سیٹ سنبھالی اور اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے مسکرا کے اسے دیکھا۔

"آج لوگ غلط العام انداز میں تیسری دنیا کے ممالک سے مراد غریب ترقی پذیر ممالک لیتے ہیں، حالانکہ یہ کوئی تحقیر آمیز اصطلاح نہیں تھی۔ مگر اب لوگوں نے اس کا مطلب بدل دیا ہے۔ جیسا کہ میں ہمیشہ کہتا ہوں۔ آرٹ اور تاریخ کو کمرشل فائدے کے لیے استعمال کرنا الگ چیز ہے اور اس میں دلچسپی لے کر اس سے کچھ سیکھنا الگ۔" پھر گھونٹ بھر کے مگ میز پہ رکھا اور اسی جتاتی مسکراہٹ سے اسے دیکھا۔ "سیاسی سمجھ بوجھ رکھنے والوں کو سرد جنگ کے بلاکس کے بارے میں عموماً معلوم ہوا کرتا ہے مگر خیر۔۔۔ تم یہاں کام کرو گی تو سیکھ جاؤ گی۔" پھر اس کی فائل اس کی طرف دھکیلی۔ "تم سوموار سے جوائن کر سکتی ہو۔"

اس کی ساری کڑواہٹ کو پی کے وہ سپاٹ سا مسکرائی اور فائل لیے اٹھی۔

"سوموار بہترین رہے گا کیونکہ ویسے بھی مجھے ویک اینڈ پہ ملاکہ جانا ہے۔ اپنے نئے گھر کا جائزہ بھی تو لینا ہے۔" جتاتے ہوئے کہا تو اس نے لیپ ٹاپ کھول لیا اور عینک ناک پہ جمائے اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔ نہ خدا حافظ، نہ الوداع۔ بس بے رخی کافی تھی۔ اور وہ یہ پہلی دفعہ تھوڑی کر رہا تھا۔

مگر یہ طے تھا کہ تالیہ کی ہمت نہیں ٹوٹے گی۔ باہر نکلتے ہوئے اس نے خود سے دہرایا تھا۔

"کیسا رہا انٹرویو؟" وہ آفس سے نکل کے کاریڈور تک آئی تھی کہ اشعر جو سامنے سے دو افراد کے ساتھ چلتا آ رہا تھا، اسے دیکھ کے رکا اور مسکرا کے پوچھا۔

"توقع کے برخلاف، بہت اچھا۔" اس نے گہری سانس بھری۔ اسے واقعی امید نہ تھی کہ فاتح اتنی آسانی سے جاب دینے پہ راضی ہو جائے گا۔

اشعر کو الوداع کہہ کے وہ راہداری کے دہانے تک آئی تو کونے میں اس کی طرف پشت کیے کھڑے آدمی نے ایک دم رخ موڑا۔ تالیہ جو فائل سینے سے لگائے چلتی جا رہی تھی، ٹھٹک کے رکی۔ پھر اس کا چہرہ دیکھ کے سُن رہ گئی۔

وہ سمیع تھا۔

ڈریس شرٹ پہنے وہ پینٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا جتانے والے انداز میں مسکرا رہا تھا۔ تالیہ نے فوراً اس طرف دیکھا جہاں سے وہ آئی تھی۔ وہاں اشعر ابھی تک کھڑا ان دو افراد سے کوئی بات کر رہا تھا۔ آگے پیچھے دوسرے لوگ بھی آ جا رہے تھے۔

"اشعر صاحب سے میرا تعارف نہیں کرواؤ گی ڈیئر وائف؟" وہ گہری نظریں اس کے چہرے پہ جمائے ہوئے تھا جو ایک دم فق ہوا تھا۔ پھر وہ سنبھلی۔ ماتھے پہ بل پڑے۔

"تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

"تم نے خود کہا تھا کہ میں ان کو سب بتا دوں۔ وہی بتانے آیا ہوں۔" بے نیازی بھری مسکراہٹ سے کہتا وہ اس کے ساتھ سے گزر کے اشعر کی طرف بڑھا تو تالیہ جلدی سے بولی۔

"رکو۔ پلیز رکو، سمیع۔" وہ جیسے پریشانی کو چھپاتے ہوئے سوچ سوچ کے کہہ رہی تھی۔

سمیع رکا اور مسکرا کے پلٹا۔

"ادھر آؤ... یہاں بات کرتے ہیں۔" وہ تیزی سے ریسٹ رومز کی طرف بڑھی۔ سمیع پیچھے آیا۔

وہ ایک طویل ہال تھا جس میں سنک بنے تھے اور دوسری طرف باتھ رومز کے دروازے تھے۔ سمیع جیسے ہی اندر آیا' تالیہ نے دروازہ بند کیا اور غصے سے اس کی طرف گھومی۔

"تم میری جان چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"

"تم اب بھی مجھ سے ڈرتی ہو۔" وہ دونوں وہاں اکیلے تھے۔

"میں کسی سے نہیں ڈرتی۔" جواباً سمیع نے اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھوں سے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

"تم جاب لینے آئی ہو یہاں، ہے نا؟ میں نے اشعر صاحب کی بات سن لی تھی۔ تم جتنی بہادر رہنے کی اداکاری کر لو، تم اپنے نئے

آفس میں کوئی تماشہ نہیں بنانا چاہوگی۔"

"تم کیا چاہتے ہو؟"

"صرف اپنا اتنا سا حصہ!" دو انگلیوں کے درمیان ذرا سا خلا بنا کے دکھایا۔

"میرے پاس اتنا کیش ہے، نہ ہوتا ہے۔" وہ زچ ہوئی۔ "اور بینک سے میں تمہیں ایک پیسہ نہیں بھیجوں گی۔"

"ہاں ظاہر ہے سیاسی جماعت میں کام کرنے کے بعد تمہاری بینک ٹرانز یکشنز پہ کڑی نظر رہے گی۔ میں تمہیں مشکل میں تھوڑی ڈالوں گا تالیہ۔"

''سمجھ میں آ گیا نا تمہارے؟ اب میرا پیچھا چھوڑ دو۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔''

''یہ بات وہ عورت کہہ رہی ہے جو صرف جاب انٹرویو پہ بھی لاکھوں کی جیولری پہن کے آئی ہے۔''

تالیہ بدک کے پیچھے ہٹی۔ اس کے ہاتھ خالی تھے مگر کانوں میں پہنے ایئر رنگز کے موٹے موٹے ہیرے جگمگا رہے تھے۔

''تم مجھے یہ ہیرے دے سکتی ہو۔'' اس نے اس کے کانوں کی طرف اشارہ کیا۔

''یہ.... یہ نقلی ہیں۔ یہ سب زرقون ہیں۔'' گردن کڑا کے بولی۔

''یہ سب اصلی ہیں اور یہ تو صرف پہلی قسط ہے۔ ایئر رنگز پلیز۔'' وہ ہتھیلی پھیلائے کھڑا تھا۔

''اور یہ مت سمجھنا کہ میں ان کو بغیر رسید کے بیچ نہیں سکتا۔ میرے اتنے سنار جاننے والے ہیں کہ میں صرف ہیرے الگ کروا کے بیچ سکتا ہوں۔ اب میرا وقت ضائع مت کرو اور مجھے یہ ایئر رنگز دو۔''

''یہ پہلی اور آخری دفعہ ہے سمیع۔'' وہ بے بسی سے غرائی۔ پھر ادھر ادھر دیکھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ اس نے نوچنے والے انداز میں اپنے کانوں سے موٹے موٹے ہیروں والے ٹاپس اتارے اور اس کی مٹھی پہ پٹخے۔

''آئندہ مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔ ورنہ تمہاری جان لے لوں گی۔''

سمیع نے روشنی میں اٹھا کے ان ہیروں کو دیکھا' پھر مسکرا کے سر کو خم دیا۔ ''شکریہ دوست۔''

اور انہیں جیب میں ڈالتا آگے بڑھ گیا۔ تالیہ زیرِ لب کچھ بڑبڑاتی رہی۔ اس کا چہرہ غصے سے دہک رہا تھا اور وہ سخت جھنجھلائی ہوئی لگتی تھی۔

☆......☆......☆

وان فاتح کی رہائشگاہ پہ وہ رات اتری تو لان کی ساری بریاں جگمگا اٹھیں۔ اندر لاؤنج میں عصرہ صوفے پہ بیٹھی' لیپ ٹاپ کھولے کام کرتی دکھائی دے رہی تھی۔ وہ سادہ سی سرمئی میکسی میں ملبوس' کندھے پہ سیاہ اسٹول ڈالے' بالوں کو الجھے ہوئے جوڑے میں باندھے'

پوری توجہ سے اسکرین پہ جھکی تھی جب جولیانہ روتی ہوئی بھاگتی آئی۔

''ماما....ماما...سکندر نے مجھے مارا ہے۔'' لمبے بالوں والی بچی بھیگی آنکھیں ملتی تیزی سے اس کے گھٹنے سے آ لگی۔ عصرہ نے گہری سانس لے کر اسے دیکھا اور اپنے گال پہ آئے بال پیچھے اڑسے۔

''کیوں؟''

''وہ گیم میں ہار رہا تھا تو اس نے میرا جوائے اسٹک چھین لیا اور مجھے مارا''۔ وہ بھاں بھاں کیے روئے جا رہی تھی۔

''سکندر!'' عصرہ نے اسکرین فولڈ کی اور پرسکون انداز میں زور سے آواز دی۔ سکندر تیوریاں چڑھائے خفا خفا سا باہر نکل آیا۔

''جی ماما؟''

عصرہ نے دو انگلیوں سے اسے قریب آنے کا اشارہ کیا۔ وہ سرخ چہرہ لئے سامنے آیا۔

''ماما....سکندر کو بھی ماریں جیسے اس نے مجھے مارا ہے۔'' اسے دیکھ کے وہ مزید زور سے رونا شروع ہوئی۔ سکندر نے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھورا مگر خاموش رہا۔

''سکندر....'' وہ سنجیدہ سی سادگی سے گویا ہوئی۔ ''آپ نے ابھی کچھ غلط کیا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ غلط کیا تھا مگر کیا آپ کو معلوم ہے؟''

سکندر خاموش رہا۔

''آپ میرے کمرے میں جاؤ اور گیارہ منٹ تک سوچو کہ آپ نے کیا غلط کیا ہے' کیوں کیا ہے۔ پھر واپس آ کے مجھے اپنی reasons بتاؤ گے۔'' ساتھ ہی ابرو سے جانے کا اشارہ کیا۔ سکندر خفا خفا سا فوراً اس کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ جولیانہ نے آنسو پونچھتے خفگی سے اسے دیکھا۔

''اسے گیارہ منٹ کیوں دیئے ماما؟ مجھے ہمیشہ آٹھ منٹ ملتے ہیں۔''

''کیونکہ آپ آٹھ سال کی ہو اور وہ گیارہ سال کا۔ ہم جتنے بڑے ہوجاتے ہیں' ہمیں اپنی غلطیوں پہ غور کرنے کے لئے اتنا زیادہ وقت درکار ہوتا ہے۔ اب آپ آنسو صاف کرو۔'' وہ نرمی سے کہہ رہی تھی۔ جولیانہ نے زبردستی آنسو صاف کیے اور منہ پھلا کے بیٹھ گئی۔ عصرہ نے فون اٹھایا اور نمبر ملا کے اسے کان سے لگایا۔

''کتنا سامان بچا ہے گیلری میں؟'' اب وہ اپنی سیکرٹری سے پوچھ رہی تھی۔

''بس چند ہی آئٹمز ہیں جو بک نہیں سکے۔''

''ان کو آن لائن سیل پہ لگا دو۔ مجھے اس سارے مال سے جان چھڑانی ہے بس۔''

وہ واقعی جان چھڑانے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔ساتھ ہی کنپٹیوں کو دبایا۔ نیلامی کی سر دردی بالآخر ختم ہونے والی تھی۔

بات مکمل ہوئی تو سکندر باہر آتا دکھائی دیا۔اس کا چہرہ اب قدرے جھکا ہوا تھا۔سرخی غائب تھی۔وہ چپ چاپ اس کے دوسری طرف آبیٹھا۔درمیان میں ماں تھی...جولیانہ نے گردن نکال کے اس کا جائزہ لیا۔

''پھر آپ نے سوچا کہ آپ نے ایسا کیوں کیا تھا؟''

''جی۔''اس نے جھکے سر کے ساتھ کہا۔''جولیانہ جیت رہی تھی تو مجھے غصہ آ گیا۔ یہ گیم میں نے اسے سکھائی تھی۔میں اس میں جیتنا چاہتا تھا۔''

''تو آپ اسے جیتنے دیتے بعد اور میں نئی گیم شروع کر کے زیادہ اچھا کھیل کے اسے ہرا دیتے۔''

''وہ تو میں اسے ہرا ہی دوں گا۔''ابرو اچکا کے بولا' پھر ماں کی شکل دیکھ کے چہرہ جھکایا۔''سوری ماما۔''

''جیتنے کے لئے دوسرے کو تکلیف دینا ضروری نہیں ہوتی' سکندر۔میں آئندہ یہ نہ سنوں کہ آپ نے بہن پہ ہاتھ اٹھایا ہے۔آپ کو معلوم ہے رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی بچے پہ ہاتھ نہیں اٹھایا تھا؟ آپ مسلمان ہو۔اور مسلمان ایسے کرتے ہیں کیا؟''

''مگر ماما۔جولیانہ چیٹنگ بھی تو کر رہی تھی۔''

عصرہ نے چونک کے گردن گھمائی۔جولیانہ یکدم پھیکی پڑ گئی۔

''سکندر سچ کہہ رہا ہے؟''اس نے اسے گھورا۔جولیانہ کے آنسو آ گئے۔

''میں صرف....''

''آٹھ منٹ' جولیانہ! صرف آٹھ منٹ!''اس نے چٹکی بجا کے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔وہ آنسو روکتی کمرے کی طرف بھاگی۔

سکندر نے گہری سانس بھری اور ذرا چوڑا ہو کے صوفے پہ بیٹھا۔''ماما....آپ اس کو سمجھایا کریں۔یہ جھوٹ بھی بولنے لگی ہے اور چوری بھی کرتی ہے۔''

''کیا اس نے پہلے بھی ایسے کیا ہے؟''وہ متفکر ہوئی۔

''جی ماما۔یہ فرینڈ کی نوٹ بک کپڑوں میں چھپا کے لے آئی۔میں نے دیکھ لی تو کہا کہ یہ غلط بات ہے۔مگر ماما وہ آگے سے بدتمیزی سے بولی' ماما نے بھی تو ڈیڈ کے لاکر سے فائل نکال کے کپڑوں میں چھپائی تھی۔ایسا کرنے سے گناہ نہیں ملتا۔''

عصرہ بنت محمود بالکل شل رہ گئی۔دل دھڑکنا بھول گیا۔

''کیا بے کار بات کر رہے ہو' سکندر؟ میں نے کب کچھ چھپایا ہے؟''پھر غصے سے اس کا چہرہ دہکا۔

''ماما مجھے پتہ ہے جولیانہ جھوٹ بول رہی ہے۔''وہ فوراً بولا تو عصرہ نے تھوک نگلا۔

''اگر یہ بات آپ کے ڈیڈ کو معلوم ہوئی تو وہ آپ دونوں سے ناراض ہو جائیں گے۔ وعدہ کرو آپ یہ بات ان کو نہیں کہو گے۔ اگر وہ ناراض ہوئے تو گھر نہیں آئیں گے۔'' وہ گھبرا گئی تھی۔

''آف کورس ماما۔ میں نہیں بتاؤں گا۔'' اس نے جلدی سے ماں کا ہاتھ دونوں ہاتھوں میں لے کر دبایا۔ عصرہ کو ایک دم ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔ وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں اب جولیانہ کو الگ سے ڈانٹتی ہوں۔'' سکندر کو تسلی دلا کے وہ تیزی سے کمرے کی طرف آئی۔ جولیانہ بیڈ پہ بیٹھی سر ہاتھوں پہ گرائے ہوئے تھی۔ اسے دیکھ کے چونک کے گردن اٹھائی۔

''ماما' ابھی تو فائیومنٹ ہوئے ہیں اور....''

''جولی۔'' عصرہ جلدی سے اس کے ساتھ بیٹھی اور نرمی سے اس کے بالوں کو سہلایا۔ ''آپ نے سکندر کو یہ کہا ہے کہ ماما نے ڈیڈ کی الماری سے کچھ چھپایا تھا؟''

جولیانہ نے فوراً نظریں جھکا لیں۔ ''میں نے نہیں کہا۔''

''آپ جھوٹ بھی بولنے لگ گئی ہو' جولی۔'' وہ بے بسی بھرے غصے سے بولی۔ پھر گہری سانس لے کر خود کو نارمل کیا۔ ''مجھے تو نہیں یاد کہ میں نے کبھی کچھ کپڑوں میں چھپایا ہو۔''

''وہ اس رات.... میں نے دیکھا تھا۔'' اٹک اٹک کے بولی۔ عصرہ کے دل کی دھڑکن سست ہو گئی۔

''کیا؟ مجھے بتاؤ' میں نہیں ڈانٹوں گی۔''

''میں ڈیڈ کے باتھ روم میں تھی تب آپ آئی تھیں اور آپ نے....'' وہ رک رک کے بتا رہی تھی۔ ''کوئی فائل لا کر سے نکال کے کپڑوں میں چھپائی تھی۔ پھر آپ چلی گئی تھیں۔''

''اور آپ ڈیڈ کے باتھ روم میں کیا کر رہی تھیں؟ ایکچوئلی مجھے پتہ ہے۔ آپ ٹوتھ پیسٹ کھا رہی تھیں' ہے نا؟'' وہ ایک دم غصے سے بولی تو جولیانہ نے سہم کے سر جھکا لیا۔

''آپ کے باتھ روم کی ٹوتھ پیسٹ میں چیک کرتی ہوں تو آپ نے سوچا' آپ ڈیڈ کی کھاؤ گی تو مجھے پتہ نہیں چلے گا۔ بتاؤں میں ڈیڈ کو؟ بتاؤں؟''

''ماما سوری۔ آئندہ نہیں کروں گی۔''

''اگر آئندہ آپ نے ٹوتھ پیسٹ کو منہ میں ڈالا تو میں ڈیڈ کو بتا دوں گی کہ آپ ان کی ٹوتھ پیسٹ کھاتی ہو۔ اس دن بھی مجھے پتہ تھا کہ آپ اندر ہو اسی لیے میں آئی مگر سوچا آپ کو خود احساس ہو جائے گا' اسی لیے میں اپنی چیزیں لے کر چلی گئی۔'' وہ اب بے ربط اندا

زمیں کہتی اسی کو ڈانٹے جارہی تھی۔ہتھیلیاں پسینے سے بھیگ چکی تھیں۔

جب وہ دونوں باہر نکلیں تو جولیانہ نارمل لگ رہی تھی اور عصرہ بھی سنبھلی ہوئی تھی۔فاتح گھر آ چکا تھا اور کچن سے آوازیں آرہی تھیں۔

وہ جولیانہ کا ہاتھ تھامے قدرے تعجب سے راہداری میں آگے بڑھتی گئی، یہاں تک کہ کچن کا کھلا دروازہ سامنے آیا تو اس نے چوکھٹ سے اندر جھانکا۔

کچن کھلا اور سفید ٹائلز سے آراستہ تھا۔کاؤنٹر پہ سکندر بیٹھا تھا اور دوسرے کے ساتھ فاتح ٹیک لگائے، بازو سینے پہ لپیٹے کھڑا تھا۔ٹائی ڈھیلی کیے، شرٹ کے کف موڑے، وہ تھکا تھکا لگتا تھا مگر مسکرا کے سکندر سے کچھ کہہ رہا تھا جب وہ اندر داخل ہوئی۔

''تم آج کچن میں کیسے؟''

فاتح نے نگاہیں پھیر کے اسے دیکھا اور مسکرایا۔''بھوک لگی تھی۔کھانا لینے آیا تھا۔''

کھانا ملازمہ نے ٹیبل پہ لگا تو دیا تھا''عصرہ تعجب سے اندر آئی۔

''ڈیڈ کو کھانے کا ذائقہ نہیں پسند آرہا، ماما۔''سکندر نے نوڈلز کے پیالے سے سر اٹھا کے اطلاع دی۔

''کھانا ہمیشہ صبوحی ہی بناتی ہے۔آج کیا ہو گیا ہے اچانک؟''

''عجیب سا کھانا بناتی ہے وہ۔میرے معدے میں جلن ہو رہی ہے۔''وہ کندھے اچکا کے بولا تو عصرہ آگے آئی۔

''میں تمہیں کچھ اور بنا دیتی ہوں۔''

''ہاں شیور۔''وہ بس مسکرا دیا۔تکان کے باوجود موڈ اچھا لگ رہا تھا۔جولیانہ شرماتی شرماتی باپ کے قریب آ کے کھڑی ہوئی۔فریج سے پیکٹ نکالتی عصرہ نے کنکھیوں سے اسے دیکھا۔وہ اس کے لیے چلتا پھرتا ٹائم بم بن چکی تھی۔

''مجھے تم لوگوں سے ایک ضروری بات کہنی ہے۔''

نوڈلز سوپ پیتے سکندر نے گردن موڑی۔جولیانہ جو کیبنٹ سے ٹیک لگائے کھڑی اپنے لمبے بالوں سے کھیل رہی تھی، چہرہ اٹھا کے دیکھنے لگی۔عصرہ البتہ نیم رخ موڑے سلیب پہ قیمہ رکھ کے تیز تیز اس سے پیڑے نکالنے لگی۔ماتھے پہ بل پڑ گئے تھے۔

''میں نے پارٹی چیئر مین شپ کے لیے کاغذات جمع کروا دیے ہیں۔دو ماہ بعد الیکشن ہے۔سوموار سے ہم کمپیئن شروع کریں گے۔''

''کیا پھر آپ پارٹی چیئر مین بن جائیں گے۔''

''کیا آپ پردھان منتری بن جائیں گے؟''دونوں بچوں نے یکے بعد دیگرے سوال پوچھا۔عصرہ کے ہاتھوں میں مزید تیزی آگئی۔

''جب کوئی اسکول کی فٹ بال ٹیم میں شامل ہوتا ہے تو اس کا خواب ہوتا ہے کہ وہ بہترین پلئیر بنے۔ پھر وہ کیپٹن بنے، پھر وہ قومی لیول پہ کھیلے۔ اور آخر میں وہ قومی ٹیم کا کیپٹن بنے۔ جب کوئی فوج میں بھرتی ہوتا ہے تو وہ چاہتا ہے کہ ایک دن وہ آرمی چیف بنے۔ اپنے ملک کی اعلیٰ ترین سطح پہ نمائندگی کرنے کا خواب دیکھنا بری بات نہیں ہے۔ ہر سیاستدان اعلیٰ ترین مقام پہ پہنچنا چاہتا ہے۔ اور میں ......'' اس نے باری باری تینوں کو دیکھا۔ ''اس کے بہت قریب ہوں۔ تم لوگوں سے میں صرف اتنا چاہتا ہوں کہ تم میرا ساتھ دو۔''

بچے چپ ہو گئے۔ جولیانہ نے ماں کو دیکھا اور سکندر کا چہرہ جھک گیا۔

''جب بھی کیمپیئن شروع ہوتی ہے ڈیڈ، ہر طرف سے مسئلے شروع ہو جاتی ہیں۔'' اس کو ''مسئلوں'' کے علاوہ کوئی لفظ نہیں مل رہا تھا۔

''تم یہ یقین رکھو سکندر کہ تمہارا باپ ہر موقع پہ تمہاری حفاظت کرے گا اور......''

''جیسے آریانہ کی حفاظت کی تھی؟'' عصرہ نے ایک دم میٹ بال ڈش میں پٹخی اور اس کی طرف گھومی تو آنکھوں میں بے بسی بھرا غصہ تھا۔ ''اور اگر میں آریانہ کو بھلا بھی دوں' تب بھی ہر کیمپئن کے شروع ہوتے ہی منفی مہم شروع ہو جاتی ہے۔ میرے بچوں سے رپورٹرز سوال پوچھتے ہیں۔ مجھے ہر جگہ مسکرا مسکرا کے لوگوں سے وعدے کرنے پڑتے ہیں۔ انٹرویوز' اخبارات.... اور پھر آئے روز اخبارات میں تمہارے اوپر کیچڑ اچھالا جاتا ہے۔ بچے اسکول جانے سے ڈرنے لگتے ہیں۔ تم گھر کی شکل دیکھنا بھول جاتے ہو۔ ہم تمہارے لیے ترس جاتے ہیں۔ اور اس ساری بھاگ دوڑ کے آخر میں فاتح بن رامزل تم ہار جاؤ گے تو کیا ہوگا؟ ہاں؟''

بولتے بولتے اس کی آنکھوں میں پانی آ گیا۔

''اور اگر ہم جیت گئے تو؟'' وہ اتنا ہی پرسکون کھڑا تھا۔ عصرہ نے تاسف بھری نظر اس پہ ڈالی' پھر ڈش پرے کھسکائی اور پیر پٹختی وہاں سے نکل گئی۔

فاتح نے گہری سانس بھری اور خاموشی سے سنک تک گیا۔ ہاتھ دھوئے اور قیمے کی ڈش کو اپنے قریب کیا۔ پیڑہ اٹھایا اور اسے گول شکل دینے لگا۔ اس کے ہاتھ مہارت سے چل رہے تھے۔ ذہن عصرہ کی باتوں میں الجھا تھا۔

تھوڑی دیر بعد وہ خاموشی سے پاستہ کے اوپر میٹ بالز پلیٹ میں سجائے میز پہ رکھ رہا تھا تو ٹوکری میں پڑی سبزیاں دیکھ کے چونکا۔

''پہلے خیال کیوں نہیں آیا۔'' ماتھے کو چھوا پھر چھریوں کے اسٹینڈ کی طرف بڑھا۔ سب سے بڑا چھرا نکالا اور سلاد کی سبزیاں الگ کر کے کٹنگ بورڈ پہ رکھیں۔ اب وہ تیز تیز ہاتھ چلاتے ان کو کاٹ رہا تھا۔

سکندر آہستہ آہستہ سوپ پیتے ہوئے اسے دیکھ رہا تھا۔

''ڈیڈ......آپ کو یہ کرنا آتا ہے۔''

''نہیں......لیکن تمہاری ماں ناراض ہو چکی ہے اور ملازم گھر جا چکے ہیں۔ خود ہی کرنا پڑے گا۔'' اس نے سلاد پلیٹ میں

ڈالا اور جھک کے چمچ سے پاستہ کا ذائقہ چکھا۔مگر چہرے پہ بدمزدگی پھیلی۔''بس گزارے لائق ہے۔''

اسے ذائقہ پسند نہیں آرہا تھا۔پراسیس کیے گئے پیکٹ والے کھانے' بے تاثیر بے سواد۔

معلوم نہیں کیوں مگر ذہن میں کوئی''موازنہ'' سا تھا جس کے سامنے یہ کھانا بے کار لگ رہا تھا۔

اپنے کمرے میں عصرہ آنکھوں پہ بازو رکھے لیٹی تھی اور ساتھ بیڈ پہ آڑی ترچھی لیتی جولیا نہ کوئی کلرنگ بک کھولے' رنگ بھرتی' کہہ رہی تھی۔

''آج ڈیڈ خود کیوں کھانا بنا رہے ہیں؟ وہ تو پانی پینے بھی کچن میں نہیں آتے تھے اور آج کہہ رہے تھے مجھے پکتے سوپ کی مہک اچھی لگ رہی ہے۔ماما......ڈیڈ ایسے کیوں ہو گئے ہیں۔'' پھر رک کے انگلیوں پہ کچھ گنا۔''آپ ان سے ناراض ہیں تو کیا آپ ان کو فورٹی ایٹ منٹس دیں گی؟''

''مجھے تنگ مت کرو' جولی۔'' ناگواری سے کہتے اس نے کروٹ بدل لی۔ایک آنسو آنکھ سے گرا اور تکیے میں جذب ہو گیا۔

(ساری اداکاری تھی فیملی مین بننے کی تاکہ وہ لوگ یقین کر لیں کہ اس کو ان کی پرواہ ہے۔ہونہہ۔)

عصرہ کے اندازے لامحدود تھے۔

☆......☆......☆

یونیورسٹی میں اکثر کلاسز ختم ہو چکی تھیں اس لیے طلباء طالبات کا جمِ غفیر گیٹ سے باہر نکلتا دکھائی دے رہا تھا۔پارکنگ میں حسبِ معمول بے حد رش تھا اور سب اپنے اپنے بیگز اٹھائے اپنی مطلوبہ سواری کی طرف بڑھ رہے تھے۔اسکارف' اسکرٹ' باجو کرنگ' مغربی لباس غرض ہر طرح کا لباس پہنے لڑکیاں باہر آتی دکھائی دے رہی تھیں۔ایسے میں ایک پھولدار اسکارف والی لڑکی بیگ کندھے پہ ڈالے' موبائل کے بٹن دباتی سڑک کراس کرنے لگی تو عقب سے آواز آئی۔

''فاطمہ!''

وہ چونک کے گھومی۔پھر اس نے نوجوان کو وہاں کھڑے دیکھ کر تعجب سے ابرو اکٹھے ہوئے۔

''ایڈم۔تم؟ ادھر؟'' وہ حیران رہ گئی تھی۔دھوپ کے باعث ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا کے دیکھا۔وہ واقعی ایڈم ہی تھا۔چھوٹے بالوں اور نکھری رنگت والا ایڈم۔سیاہ پینٹ پہ سفید ٹی شرٹ پہنے سنجیدہ لگ رہا تھا۔

''فاطمہ......ہم بیٹھ کے بات کر سکتے ہیں؟''

''ہاں...ادھر آجاؤ۔'' فاطمہ سنجیدگی سے کہتی آگے بڑھ گئی۔

دونوں فٹ پاتھ پہ چلتے بس اسٹینڈ تک آئے جہاں چھپر تلے بینچ رکھا تھا۔فاطمہ قدرے تکلف سے ادھر بیٹھی' درمیان میں کتابیں

اور بیگ رکھا اور ہاتھ سے اسے کتابوں کے اس طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ وہ سر جھکائے متانت سے بیٹھ گیا۔

''تم خیریت سے آئے ہو؟'' پھر جیسے یاد آیا۔ ''تمہارا تحفہ مل گیا تھا مجھے۔ شکریہ اس کے لئے۔''

ایڈم بن محمد نے گہری سانس لی۔ چار ماہ پہلے بھیجا گیا تحفہ اسے یاد بھی نہ تھا۔ بلکہ....ایک ہفتہ قبل بھیجا گیا تحفہ (دل ہی دل میں اپنی تصحیح کی) جس کے لیے اس نے عصرہ اور تالیہ دونوں سے مشورہ مانگا تھا۔ تب اس کے مسئلے محدود تھے۔ اور اب تو زمانہ ہی بدل چکا تھا۔ وہ وقت اور وہ احساسات دونوں ہی گم گشتہ سے لگتے تھے۔ پرانے اور فراموش کردہ۔

''فاطمہ....میں ہماری شادی کے بارے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''سنو ایڈم!'' وہ بات کاٹ کے بولی تو ایڈم نے دیکھا۔ پھولدار اسکارف کے ہالے میں مقید اس کے چہرے پہ خفگی تھی۔ وہ خوش شکل اور صاف رنگت والی پراعتماد مگر سنجیدہ سی لڑکی تھی اور اس وقت وہ تکلف سے بیٹھی نظر آتی تھی۔

''میں کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ تمہارا اور میرا رشتہ ارینج طریقے سے ہوا تھا تب تم فوج میں تھے۔ میں کتنے عرصے سے تمہارے نام پہ بیٹھی ہوں۔ تم نے فوج چھوڑ دی' پھر تمہیں کوئی نوکری نہیں ملی۔ وان فاتح کی نوکری بھی تم سے مستقل نہ ہو سکی....''

''وہ تو صرف چند دن کی تھی۔'' مگر وہ نہیں سن رہی تھی۔

''اب تم بتاؤ میرے والدین کیسے تمہارے ساتھ میری شادی کر دیں؟ ایڈم جب تک ان کو کوئی فنانشل سیکیورٹی نہیں ملے گی' وہ شادی نہیں کریں گے۔ اب خالہ بتا رہی تھیں کہ تم ایک دم سے لکھنے لکھانے کی طرف چلے گئے ہو۔ ایڈم یہ کیا ہے؟''

ایڈم کے رخسار گلابی ہوئے۔ (یہ ایبو بھی نا!)

''وہ الگ بات ہے' فاطمہ۔ میں صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ انکل اگر مجھے تھوڑا وقت دے دیں' بس چند ماہ تو میں کچھ نہ کچھ کر لوں گا۔ بس وہ یہ دو ہفتے کے اندر اندر اسٹیبلیش ہونے کی شرط چھوڑ دیں۔ تم خود بتاؤ فاطمہ دو ہفتے کے اندر میں کیسے امیر ہو سکتا ہوں۔'' وہ روہانسا ہوا۔

''تو چند ماہ میں کیسے ہو گے؟''

ایڈم چپ ہوا۔ تھوک نگلا۔ ''مجھے امید ہے کسی طرف سے۔ بس یہ سمجھو بہت جلد میرے پاس پیسہ آ جائے گا۔'' (خزانہ نکالنے کے بعد بیچنے میں بھی وقت لگنا تھا۔)

''بغیر محنت کے؟ بغیر ہاتھ پاؤں ہلائے؟'' وہ طنز سے بولی۔ ''اس طرح اچانک سے کیا تمہارے باغیچے سے تیل کا کنواں نکلے گا یا صحن میں خزانہ دفن ہوا ملے گا؟''

بس زور سے ہارن بجاتی سائیڈ سے گزری اور ایڈم بھی اندر تک ہل گیا۔ نظریں چرا لیں۔

''بالفرض میرے گھر کی زمین سے خزانہ نکل آئے تو کیا تب تم مجھ سے شادی کر لو گی؟''

''نکل بھی آیا تو کون سا تمہارا ہوگا؟'' وہ سر جھٹک کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ''ایڈم تم کوئی اچھی نوکری ڈھونڈو اور اگر ایسا نہ ہوا تو یقین رکھو' بابا یہ رشتہ ختم کر دیں گے۔ میں پہلے ہی ماما بابا کی پریشانی دیکھ کے ڈسٹرب ہوں۔''

''فاطمہ فاطمہ...'' وہ ملتجی انداز میں کھڑا ہوا۔ ''پلیز تم میرا یقین رکھو۔ میں محنت کروں گا اور کوشش بھی اور....'' یکدم وہ ٹھہرا اور ٹکر ٹکر اسے دیکھنے لگا۔ اطراف سے گاڑیاں ہارن بجاتی زن سے گزر رہی تھیں مگر ایڈم بن محمد بالکل گم صم ہو گیا تھا۔

''کیا کہا تم نے؟''

''بابا یہ رشتہ ختم کر دیں گے ایڈم۔''

''نہیں اس سے پہلے ....تم نے کہا خزانہ نکل بھی آیا تو میرا نہیں ہوگا۔ کیوں؟'' وہ جیسے کسی خواب سے جاگا تھا۔ پانچ سو ستاون سال قدیم خواب سے.... ''کیوں نہیں ہوگا وہ میرا؟''

''وہ تو میں روانی میں کہہ گئی۔ یہ کتابیں پڑھ پڑھ کے دماغ خشک ہو جاتا ہے۔'' اس نے سر جھٹکا اور بنچ سے اپنی قانون کی موٹی سیاہ کتابیں اٹھائیں۔ ایڈم یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ فاطمہ نے چیزیں سمیٹ کے اس کو دیکھا تو وہ اسی طرح حیران اور گم صم سا کھڑا تھا۔ اس نے گہری سانس لی۔

''Treasure trove Act 1995...تمہیں نہیں معلوم' ایڈم؟''

اور ایڈم بن محمد کے سارے خواب کسی ایسے ہیرے کی طرح چکنا چور ہوئے جس کو آسمان سے زمین پہ پھینکا جائے اور اس کی چمکتی کرچیاں دور دور تک پھیل جائیں۔

☆......☆......☆

حالم کے بنگلے پہ اندھیرا پھیلا تھا۔ پورچ کی بتی آج پھر بجھی تھی۔ داتن اندر آئی تو پہلے پورچ روشن کیا' پھر لاؤنج کی بتیاں جلائیں۔ تالیہ وہاں نہیں تھی۔ تہہ خانے کی طرف جاتا دروازہ کھلا تھا اور وہاں سے روشنی آ رہی تھی۔ داتن نے گروسری کے تھیلے وہیں رکھے اور برہمی سے ماتھے پہ بل ڈالے' زینوں کی طرف آئی۔

''تم نے لاپرواہی کی حد کر دی۔ دروازہ کھول کے بیٹھی ہو....اتنا قیمتی سامان رکھا ہے یہاں اور....'' داتن زینے دھپ دھپ اترتی نیچے آئی اور اس پہ چڑھ دوڑی جو فرش پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ اور اگلے ہی لمحے وہ ٹھٹکی۔

بے یقینی سے گردن چاروں طرف موڑی۔

وہاں بنے سیف کے مختلف دروازے کھلے تھے اور وہ اندر سے خالی تھے۔ پینٹنگز کے کارٹن بھی غائب تھے اور خالی ڈبے اور کھڑکی کے ٹکڑے ادھر ادھر بکھرے تھے۔ داتن پدوکا نے دہل کے سینے پہ ہاتھ رکھا۔

"وہ خوف تھا۔"

"تالیہ!" داتن نے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔ پھر اسے فکر ہوئی "تمہیں کیا ہوا ہے؟ اور یہ سب کہاں گیا ہے؟"

"اگر اب میں سوچوں تو وہ خوف تھا۔ بچپن میں..." وہ اس کو دیکھتی اپنی رو میں کہہ رہی تھی۔ شاید داتن کے چہرے کی لکیروں میں اپنی زندگی کی فلم چلتی دیکھ رہی تھی۔ ''اور وہ لالچ بھی تھا اور جبر بھی۔ کون سا جذبہ پہلے آیا، مجھے نہیں یاد۔ لیکن جب یتیم خانے اور بعد میں میرے فوسٹر پیرنٹس کے گھر مجھے جبر سے دبایا جاتا، خواہشات کو پورا کرنے سے روکا جاتا ... تو میں چوری کرنے پر مجبور ہو جاتی۔ پھر وہ عادت بن گئی۔ چرا لینا اور پوچھے جانے پہ جھوٹ بول دینا۔ لیکن اب اگر سوچوں تو حاوی ترین جذبہ خوف ہوتا تھا"۔

"تالیہ... تم ٹھیک ہو؟"۔ داتن اس سے لمحے بھر کے لیے بھی نظریں ہٹائے بغیر کرسی کھینچتی قریب آئی اور بیٹھی۔

"میں ہمیشہ خوفزدہ رہی ہوں۔ یہ ڈر کہ میری بات سنی نہیں جائے گی یا مجھے ڈانٹ کے خاموش کرا دیا جائے گا، مجھ سے جھوٹ بلواتا رہا۔ اور جب ڈر ختم ہو گیا تو یہ ان سکیورٹی پیدا ہو گئی کہ اگر میں من گھڑت باتیں نہیں کہوں گی تو مجھے کچھ نہیں ملے گا۔ لوگ مجھے میرے سچ کے ساتھ قبول نہیں کریں گے۔ میں ہمیشہ خوف کے زیرِ اثر رہی ہوں داتن۔ میں کبھی بہادری سے اپنے اصل کا سامنا نہیں کر سکی۔'' الجھی بکھری سنہری لٹیں اس کے گالوں پہ جھول رہی تھیں اور وہ دیوار کو دیکھتی بے خودی سی بولے جا رہی تھی۔

"لیکن پھر میں ایسے انسان سے ملی جس نے مجھے سکھایا کہ انسان کی سب سے بڑی خوبی اس کی سچائی اور امانت داری ہوتی ہے۔ جو لوگ سچے ہوتے ہیں وہ اپنی نظروں میں باعزت ہوتے ہیں۔ اپنے قول کے پکے ہوتے ہیں۔ ان کے سارے خوف دور ہو جاتے ہیں۔ وہ سر اٹھا کے جی سکتے ہیں۔ صرف وہی ہوتے ہیں بہادر اور میں نے سوچا کہ میں بھی ایسی بننا چاہتی ہوں۔''

"تالیہ؟" داتن اسے تشویش سے دیکھ رہی تھی۔

"مگر یہ اتنا آسان نہیں تھا۔'' تالیہ اداسی سے مسکرائی'' پہلے اپنے سارے جھوٹوں کی سزا ملنا تھی۔ پہلے کفارے ادا ہونے تھے۔ میرے ساتھ زندگی نے ہی جھوٹ بول دیا، داتن!'' اس کی گم صم آنکھیں پانی سے چمکیں'' مجھے کچھ اور دکھا کے کچھ اور عطا کر دیا۔ مجھے اتنا ناقابلِ اعتبار بنا دیا کہ اگر میں اپنی زندگی کا سب سے بڑا سچ بولنا چاہوں تو بھی کوئی یقین نہیں کرے گا۔''

"تالیہ ... کیا ہوا ہے؟"

"مگر اب نہیں، داتن!" اس نے آنکھیں پوروں سے رگڑیں۔'' اب میں اس خوف کے ساتھ نہیں جیوں گی۔ اب میں بھی ایڈم کی طرح سچ بولنا چاہتی ہوں اور وان فاتح کی طرح اپنے قول کو سچا بنانا چاہتی ہوں۔ میں نے بہت سے قانون توڑے ہیں اب مزید نہیں توڑوں گی۔ یہ سب...'' اطراف میں نظر دوڑائی۔'' یہ سب میرا نہیں تھا۔ یہ سب دوسرے لوگوں اور میوزیمز کا تھا۔ میں نے ایک ایک چیز واپس کر دی ہے۔ جیسے چرانا آتا ہے ویسے ہی گمنام طریقے سے لوٹانا بھی آتا ہے"۔

داتن نے دہل کے پھر سے سینے پہ ہاتھ رکھا۔"تالیہ ... نہ کرو ... وہ سب..."

"اور جو کچھ میں خرچ کر چکی ہوں"... وہ بات جاری رکھتے ہوئے بولی۔"اس کا میں کچھ نہیں کر سکتی۔ میں امید کرتی ہوں کہ میری ایمانداری کے باعث اللہ تعالیٰ اور پھر وہ لوگ جن سے میں نے وہ چیزیں چرائی تھیں، مجھے معاف کر دیں گے۔"

"اب کیا ہوگا تالیہ؟ تم کہاں سے کھاؤ گی؟ کیا کماؤ گی؟" داتن نے دہل کے سینے پہ ہاتھ رکھا ہوا تھا۔

تالیہ نے گہری سانس لی اور بال کان کے پیچھے اڑسے۔

"میں نے جاب ڈھونڈ لی ہے۔ اور میرے پاس بہت سا زیور بھی ہے۔ جو واقعی میرا ہے۔ اور مجھے ایک اور جگہ سے بھی امید ہے۔" اس کے ذہن میں سن باؤ کا صحن گھوما۔"ہاں مجھے ابھی بھی بہت سارا پیسہ حاصل کرنے کا شوق ہے لیکن اب میں صرف اس پیسے کو قبول کروں گی جو واقعی میرا ہوگا۔"

پھر نم آنکھوں سے مسکرائی تو داتن نے دیکھا، اس کی ناک سرخ پڑ رہی تھی۔

"رہی تم تو میں تمہیں یہ کام چھوڑنے پہ مجبور نہیں کروں گی۔ تم اپنے فیصلوں میں آزاد ہو۔ میں اور تم ہمیشہ دوست رہیں گے۔"

داتن نے ملال سے اس خالی خالی سے کیمرے کو دیکھا۔"ایسا کیا ہوا ہے چار ردن میں جو تم اتنی بدل گئی ہو تالیہ؟"

"مجھے وان فاتح سے محبت ہوگئی ہے داتن" زخمی سا وہ مسکرائی اور کپڑے جھاڑتی اٹھ کھڑی ہوئی۔ داتن سانس روک کے اسے دیکھے گئی۔ پھر کہنے کی کوشش کی۔

"اسی فیصد لوگوں کو ہر چھے ماہ بعد نیا کرش ہو جاتا ہے اور وہ چار ماہ میں اتر بھی جاتا ہے مگر......"

"تم نہیں سمجھو گی، داتن!" وہ مسکراتے ہوئے بولی پھر ایڑیوں پہ گول گول گھوم گئی۔ خالی کمرا بہت کھلا کھلا سا لگ رہا تھا۔

"میں نے یہ سب واپس کر دیا ہے، پھر بھی میرا دل ہلکا کیوں نہیں ہوا؟" اس نے سوچا تھا۔ تبھی موبائل بجا تو تالیہ نے اسے نکال کے دیکھا۔

"کیا ہم مل سکتے ہیں؟" ایڈم کا پیغام وہاں جگمگا رہا تھا۔

☆......☆......☆

ایڈم ریستوران کی آخری میز پہ بیٹھا بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ تالیہ جیسے ہی دروازے سے اندر داخل ہوتی دکھائی دی' وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ ہشاش بشاش اور تازہ دم لگتی تھی۔ سادہ باجو کرنگ پہنے ، بالوں میں ہئیر بینڈ لگائے، سر پہ ترچھی ہیٹ جمائے، مسکراتی ہوئی اس کے سامنے آئی اور کرسی سنبھالی۔ پھر کہنیاں میز پر رکھیں اور پھر چمکتی آنکھوں میں شرارت بھرے اسے دیکھا۔

''میں نے سارا ''ادھار شدہ'' مال اصل مالکوں کو واپس کر دیا ہے۔'' فاتحانہ انداز میں بولی تو ایڈم پھیکا سا مسکرایا۔

''گڈ۔''

''صرف گڈ؟ ارے اس پہ تو تمہیں اپنی شہزادی کی شان میں ایک قصیدہ لکھنا چاہیئے تھا۔''

''چے تالیہ......'' وہ دھیما سا بولا۔ چہرہ بجھا بجھا سا لگتا تھا اور اداس نظریں تالیہ پہ جمی تھیں۔ ''سن باؤ کا خزانہ......''

''ہاں وہی بتانے لگی تھی۔'' وہ جوش سے آگے کو جھکی۔ ''فاتح صاحب نے گھر میرے حوالے کر دیا ہے۔ کل صبح ہم ملاکہ جائیں گے۔ میں نے کھدائی کا سامان خرید لیا ہے۔ ہمیں احتیاط سے کھدائی کرنی ہے تاکہ خزانہ نکال کے ہم کوئی نشان چھوڑے بغیر صحن کو برابر کر دیں اور......''

''چے تالیہ وہ خزانہ ہمارا نہیں ہے۔''

ایک دم سے جیسے سارے شہر میں سناٹا چھا گیا۔ تالیہ ٹکر ٹکر اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

''کیا؟'' اسے واقعی سمجھ نہیں آیا تھا۔

وہ خزانہ ہم نہیں لے سکتے۔''

تالیہ نے اسے یوں دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔ پھر ادھر ادھر نگاہ دوڑائی۔ لوگ اپنی اپنی میزوں پہ کھانے پینے میں مگن تھے، کوئی اس طرف متوجہ نہ تھا۔

''کیوں؟ وہ ہمارا ہے۔ ہم نے دبایا ہے۔''

''مگر چھ صدیوں تک اس کی حفاظت ہم نے نہیں ''زمین'' نے کی ہے۔ اسے امانت کی طرح اپنے اندر ہم نے نہیں ''زمین'' نے چھپایا ہے۔''

''تو؟''

''تو یہ کہ ''زمین'' سرکار کی ہوتی ہے۔''

وہ بالکل سن رہ گئی۔ ساکت، مجسم۔ ارد گرد پھرتے لوگوں کے ہجوم میں بھی اسے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔

''Treaure trove act کے تحت ملائیشیا کی زمین سے کوئی بھی چھپا ہوا خزانہ ڈھونڈنے پہ شہری کا فرض ہے کہ وہ اسے حکومت کے حوالے کر دے کیونکہ زمین میں چھپے خزانے سرکاری ملکیت ہوتے ہیں۔ اگر ہم اس کی اطلاع حکومت کو نہیں دیں گے تو ہم مجرم ہوں گے اور پولیس ہمیں گرفتار کر سکتی ہے۔ خزانہ چھپانے پہ بھاری جرمانہ اور قید کی سزا ہے۔''

''وہ خزانہ......'' وہ ایک دم غرائی، پھر آواز مدہم کی۔ ''وہ خزانہ ہمارا ہے۔ جائز اور حلال۔ وہ حکومت کا نہیں ہے۔''

''وہ صرف اسی صورت میں ہمارا ہو سکتا تھا اگر اس پہ 50 سال سے کم عرصہ گزرا ہو یا اس کو ہمارے آباؤ اجداد نے دفنایا ہو اور ہم اس پہ کلیم کر سکیں۔ مگر ہم کلیم ثابت نہیں کر سکتے۔ قانوناً وہ ہمارا نہیں ہے۔''

''میری بات کان کھول کے سنو ایڈم!'' وہ میز پہ زور سے ہاتھ مار کے بولی۔ ''میں نے سارا لوٹا مال واپس کر دیا کیونکہ وہ میرا نہیں تھا۔ میں نے پھر سے زندگی شروع کی۔ جاب ڈھونڈی۔ ایک نیلامی پہ ان سے جھوٹ بولا تھا تو وہ ناراض ہو گئے تھے۔ اس نیلامی پہ ان سے سچ بولا۔ اب میں زمین کو سونپی اپنی امانت واپس لینے آئی ہوں تو تم کہہ رہے ہو کہ میں اسے چھوڑ دوں؟ غلط۔ میں نہیں مانتی ایسے قانون کو۔ مجھے اور تمہیں معلوم ہے کہ وہ خزانہ ہمارا ہے اور جائز ہے تو ہم کس طرح اس کو چھوڑ دیں؟''

''مجھے بھی اس کی اتنی ضرورت ہے جتنی آپ کو لیکن میں قانون نہیں توڑوں گا۔ البتہ میں آپ کو منع بھی نہیں کروں گا نہ میں کسی کو بتاؤں گا۔ آپ خزانہ نکال لیں.....بیچ دیں...جو بھی کریں، آپ یہ سب اپنے لیے کریں گی۔ مگر ایک فیصلہ آپ کو ابھی سے کرنا ہے۔ کیا آپ واقعی ایماندار بننے جا رہی ہیں؟ اگر ایسا ہے تو آپ کو ملک کے قانون کا احترام کرنا ہوگا۔ اور اگر آپ یہ نہیں کرتیں تو کیا آپ خود اپنے وعدوں پہ یقین کر پائیں گی۔''

''وہ خزانہ میرا ہے۔'' وہ دونوں ہتھیلیاں میز پہ جمائے اٹھی اور اس کی طرف جھک کے غرائی۔ ''تم...تمہارے اصول...تمہارے قانون...تم سب جہنم میں جاؤ۔ مجھ سے میری زندگی لے لی گئی۔ مجھ سے فاتح کو لے لیا گیا۔ میرا باپ وقت کی چابی نے مجھ سے دور کر دیا...میرا آخری رشتہ تھا وہ اور وہ بھی مجھ سے چھن گیا (غصے سے منہ سے نکلا). میں پہلے ہی اپنی بیشتر دولت دے چکی ہوں۔ اور اب میں اپنا جائز خزانہ بھی دے دوں؟ ہرگز نہیں۔'' اس کا رنگ شدتِ جذبات سے سرخ پڑ چکا تھا۔

''میں نے کہا نا...آپ اپنے فیصلوں میں آزاد ہیں۔ فتویٰ بہت سی چیزوں کی اجازت دے دیتا ہے لیکن جس دین کو میں مانتا ہوں اس میں تقویٰ انسان کو بہت سے غیر ضروری بوجھ سے بچا بھی لیتا ہے۔ میں اپنے ضمیر پہ بوجھ نہیں ڈالنا چاہتا۔'' وہ سادگی مگر اداسی سے کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بجھی بجھی سی تھیں۔ تالیہ نے ایک غصیلی نظر اس پہ ڈالی' پرس دبوچ کے اٹھایا اور تیز قدموں سے آگے بڑھ گئی۔

ایڈم نے اسے دکھی دل کے ساتھ جاتے دیکھا۔ ملال اور درد بہت تھا مگر ایک بات طے تھی کہ آدم بن محمد کا سر جھکا ہوا نہیں تھا۔

ہر بوجھ سے آزاد۔

☆......☆......☆

اتوار کی صبح اشعر محمود کے قلعہ نما گھر کے لان میں ہرن دھوپ سینکتے دکھائی دے رہے تھے۔ صبح خوب بارش ہوئی تھی۔ سارا لان نہا دھو کے نکھر نکھر گیا تھا۔ اب اچانک سے دھوپ نکل آئی تو ہرن گھاس پہ سست سے لیٹ گئے تھے۔

لان کے وسط میں لکڑی کی سیڑھیاں بنی تھیں جو اوپر ایک کینوپی تک جاتی تھیں۔ مخروطی چھت والی کینوپی کے اندر لکڑی کے

بینچ آمنے سامنے رکھے تھے۔ اشعر ایک بینچ پہ براجمان، پیر قینچی صورت میز پہ رکھے ہوئے تھا۔ جینز کے اوپر ٹی شرٹ پہنے، بالوں کو عام دنوں کے برعکس ماتھے پہ بکھیرے وہ اخبار سامنے پھیلائے ہوئے تھا۔

''ایلش!'' اس نے زینے چڑھنے کی آواز سن لی، پھر بھی اخبار پڑھتا رہا۔ جب عصرہ سامنے آ کھڑی ہوئی تو اشعر نے اخبار کا کونا موڑا اور سپاٹ سے نظروں سے اسے دیکھا۔

''اتنی صبح؟ خیریت؟'' انداز سرد تھا۔

''مجھے بات کرنی تھی۔'' عصرہ شدید پریشان نظر آتی تھی۔ اسکرٹ کے اوپر کندھوں کے گرد سادہ شال لپیٹے وہ میک اپ سے خالی چہرہ لیے، بال باندھے یوں دکھائی دے رہی تھی گویا ابھی نیند سے اٹھ کے آئی ہو۔

''فاتح نے کاغذات جمع کروا دیے... میں جانتی ہوں اس بات پہ تم مجھ سے ناراض ہو لیکن اس روز گھائل غزال والی مدد کے بدلے میں اس نے کہا تھا کہ...''

''آپ نے عظیم طاعون کے بارے میں سن رکھا ہے، کاکا؟'' تلخی سے اخبار لپیٹتے ہوئے اس نے عصرہ کو دیکھا۔

''اب تم فاتح کی طرح باتیں مت کرو۔'' وہ خفگی سے کہتی سامنے بیٹھی مگر اشعر نے بات نہیں سنی۔ اخبار میز پر ڈالتے ہوئے بولا

''اور آپ نے وہ نظم سنی ہے Ring-a-Ring-a-roses؟ بعض کہتے ہیں کہ وہ نظم یورپ کے عظیم طاعون کے بارے میں تھی، جب لاکھوں لوگ طاعون سے مر گئے تھے۔ ان کو سرخ دانے نکلتے تھے۔ جو سرخ دائروں کی صورت نشان چھوڑ جاتے ہیں۔ اور ہاں...... طاعون کے مریض جیب میں poises (پھول) اٹھا کے پھرتے تھے تا کہ خوشبو بیماری کی بو کو ڈھانک دے اور شفا دے۔ ان کے جسم سیاہ پڑ جاتے اور طاعون کے مریضوں کے مرنے کے بعد ان کی لاشیں اور ان کے گھر جلا دیے جاتے۔ یعنی آخر میں......'' وہ آگے ہوا اور پھر چبھتی نظروں سے عصرہ کو دیکھا۔ ''آخر میں وہ سب مر جاتے تھے۔''

پھر اس نے آہستہ سے نظم پڑھی۔

Ring around the rosies

(سرخ پھول جیسے دانے کے گرد دائرہ)

A pocket full of posies

(پھولوں کا چھوٹا سا گلدستہ جیب میں ہے)

Ashes Ashes

(راکھ......راکھ)

We all fall down

(اور ہم سب ڈھاتے چلے گئے)

اس نے آخری الفاظ اتنے سرد انداز میں ادا کے عصرہ نے پریشانی سے اسے دیکھا۔

''اشعر پلیز میری بات سنو۔''

''وان فاتح کیا سمجھتے ہیں؟ اگر وہ چیئر مین شپ کی لیے کاغذات جمع کرائیں گے یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں کہہ چکا ہوں' یہ سیٹ میری ہے' تو وہ کامیاب ہو جائیں گے؟ نہیں کا کا۔ ہم سب راکھ کا ڈھیر بن کے ایک ساتھ ڈھے جائیں گے۔''

''میں نے بہت کوشش کی ہے' اشعر لیکن وہ نہیں مانتا۔ اس نے آخر میں اپنی مرضی ہی کرنی ہوتی ہے۔''

''آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ چیئرمین میں بنوں گا۔ آپ نے کہا تھا کہ آبنگ سیاست سے کنارہ کش ہو کے مجھے endorse کریں گے لیکن کل میں نے سنا کہ وہ الیکشن لڑ رہے ہیں۔ واہ' کا کا۔ واہ۔'' ناگواری بھرے غصے سے کہتا وہ گردن موڑے گھاس کو دیکھنے لگا۔ وہ سخت ناراض لگتا تھا۔

''اگر وہ گھائل غزال والا معاملہ نہ ہوتا تو......'' عصرہ بے بسی سے بولی، پھر سر جھٹکا۔ ''مگر نہیں۔ وہ تب بھی میری نہ مانتا۔ اسے اپنی ہی کرنی ہوتی ہے۔ اور اب تو وہ عجیب سا ہو گیا ہے۔ بے نیاز سا۔ جب سے وہ ملاکہ سے واپس آیا ہے' بدلا بدلا لگتا ہے۔''

اشعر نے چونک کے اسے دیکھا' پھر تعجب سے ابرو اٹھایا۔ ''کیا بدلا ہوا لگتا ہے؟ مجھے تو ویسے ہی لگے ہیں۔ سوائے آنکھ کے زخم کے۔''

''تم اس کے ساتھ ایک گھر میں نہیں رہتے۔ تمہیں نہیں معلوم کہ اسے سمجھنا کتنا مشکل ہے۔'' وہ پھٹ پڑی۔ پھر کنپٹی پہ ہاتھ رکھا۔ ''اشعر...... میں مزید کوشش نہیں کر سکتی۔ میں تھک گئی ہوں۔ تم لوگوں کے مسئلے ختم نہیں ہوئے تھے کہ نیلامی والا مسئلہ آ گیا۔ میرے ساتھ ایسا کون کر سکتا ہے؟ تم نے پتہ کروایا؟''

''کروا دوں گا۔ میرے اپنے کام پھنسے پڑے ہیں ابھی۔'' اس نے بے زاری سے چہرہ دوبارہ موڑ لیا۔ عصرہ نے چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

''فاتح نے کاغذاتِ نامزدگی کیا جمع کروائے' تم نے تو نظریں ہی پھیر لیں' ایش۔ تم بھول گئے ہو' میں نے تمہارے لیے اس کی فائل تک چرائی۔ اب اور کیا کروں میں؟''

''کا کا میرے سر میں درد ہے، میں آرام کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ رکھائی سے کہہ کے اٹھا' میز پہ رکھا موبائل اٹھایا اور لکڑی کے زینے اترنے لگا۔ ہر قدم کے ساتھ لکڑی کے چٹخنے کی آواز آتی تھی۔ عصرہ بے بسی بھرے غصے سے کھڑی ہوئی۔

''میں کیا کروں مزید' ایش؟ میں تھک گئی ہوں۔''

اشعر جواب دیے بنالان پہ اترا اور آگے چلتا گیا۔اس کے ابرو تنے ہوئے تھے اور چہرے پہ برہمی تھی۔اس نے نیلامی کے اسکینڈل کی تیاری کب سے کررکھی تھی۔اسے یہ معلوم نہ تھا کہ اگر اسکینڈل نہ بن سکا تو وہ عصرہ سے کیسا رویہ رکھے گا؟اس بارے میں اس کے ذہن میں کوئی اسکرپٹ تیار نہ تھا۔فی الوقت وہ عصرہ اور فاتح کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

☆......☆......☆

حالم کے بنگلے کو بھی بارش نے دھو ڈالا تھا۔کھڑکیوں پہ قطرے جم گئے تھے مگر دھوپ نکلی تو وہ سوکھتے گئے۔تالیہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے ساتھ زمین پہ بیٹھی تھی۔شیشے سے چہرہ ٹکا رکھا تھا اور نظریں باہر جمی تھیں۔رات والے سلیپنگ سوٹ میں ملبوس وہ ویران ویران سی لگ رہی تھی۔

دفعتاً دروازہ کھلا اور داتن سنجیدہ چہرہ بنائے اندر داخل ہوئی۔ہاتھ میں ناشتے کی ٹرے تھی جو اس نے تالیہ کے قدموں کے پاس رکھی اور پھر اپنا بھاری بھرکم سراپا سنبھالتی بیڈ کے کنارے جا بیٹھی۔اب وہ تالیہ سے دو فٹ کے فاصلے پہ تھی۔

''اگر اپنے سارے مال و دولت کو گنوانا تمہیں اتنا تکلیف دے رہا ہے تو تم نے ایسا کیا کیوں؟'' اس نے تھکی تھکی سی تالیہ کا پژمردہ چہرہ دیکھا جو گال شیشے سے ٹکائے باہر جھانک رہی تھی۔

''میں دو دنیاؤں کے درمیان پھنس گئی ہوں' داتن۔''اس کا انداز کھویا کھویا سا تھا۔

''تالیہ ہم اچھے دوست رہے ہیں مگر اب تم راستہ بدلنا چاہتی ہو۔تمہیں نئے نیک دوست مل گئے ہیں اور اب تمہیں پرانے دوست گناہگار اور بھٹکے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔اچھا ٹھیک ہے۔پرانے دوست برے سہی اور نئے بہت اچھے سہی' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم پرانے دوست سے اب دل کی بات نہیں کہہ سکتی۔''

تالیہ نے نظریں موڑیں تو اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔''پرانے دوستوں جیسی میں رہنا نہیں چاہتی......مگر نئے دوست اخلاق اور کردار میں اتنے اعلیٰ ہیں کہ ان تک میں نہیں پہنچ سکتی۔میں کیا کروں' داتن؟''

''تم میرے جیسی کبھی نہیں تھیں۔میں تنکو کامل کی بیوی کے سارے زیور چرانا چاہتی تھی مگر تم نے کہا کہ اس کا تاج (تیارا) چھوڑ دوں' وہ اس کی ماں کی نشانی ہے۔تم دھوکہ دہی اور جھوٹ کی اس دنیا میں بھی دل دکھانے سے ڈرتی تھیں۔تم تلخ اور زہرخند نہیں تھیں۔ہنس مکھ اور خوش اخلاق تھیں۔''

''مگر میں ان جیسی بننا چاہتی ہوں۔''اس کی نگاہ محل پہ تھی جو اونچی پہاڑی پہ بنا تھا اور اس تک جانے کے لیے کوئی سڑک نہ تھی۔

''تم کردار اور اخلاق کے اعلیٰ ترین معیار پہ پہنچ کر بھی ان جیسی نہیں بن سکتیں۔جانتی ہو کیوں؟ کیونکہ کوئی کسی کی طرح نہیں بن سکتا۔ہر انسان مختلف ہوتا ہے۔اور کیونکہ انہوں نے تمہاری طرح دو زندگیوں کے ذائقے نہیں چکھے۔وہ سچے ہیں' اس لیے انہیں جھوٹوں

سے لڑنا نہیں آتا۔ وہ ہمیشہ سیدھے راستے پہ رہے ہیں اس لیے انہیں ٹیڑھ اتنی آسانی سے دکھائی نہیں دیتے۔ تمہیں دکھائی دیں گے۔ ہمیشہ دکھائی دیتے رہیں گے۔ تم سچی بننا چاہتی ہو شوق سے بنو، لیکن تم ان سے ہمیشہ مختلف رہو گی۔‘‘

تالیہ نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا۔ ’’اور یہ میرا اصل ہے جس کے ساتھ مجھے رہنا ہے؟‘‘

’’ہاں۔ تم نے اتنے ٹیڑھ پن اختیار کیے ہیں کہ اب تم انسانوں کے وہ سارے ٹیڑھ دیکھ سکتی ہو جو تمہارے نئے دوست نہیں دیکھ سکتے۔ تم سچ جھوٹ کی پہچان ان سے بہتر کر سکتی ہو کیونکہ تم اس سب سے گزر چکی ہو۔‘‘

تالیہ نے جواب نہیں دیا۔ وہ پھر سے گردن موڑ کے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

داتن چلی گئی اور کمرے میں کافی دیر خاموشی پھیلی رہی تو اس نے فرش پہ رکھا سیاہ موبائل اٹھایا اور ایک نمبر ملایا۔ پھر اسپیکر آن کر کے موبائل ہاتھ میں پکڑ لیا اور گال گھٹنوں پہ رکھ دیا۔

’’کیسے ہو، حالم؟‘‘ چند گھنٹیوں بعد وان فاتح کی آواز سنائی دی۔ اس کا سانس اتھل پتھل لگتا تھا جیسے وہ بھاگتا ہوا آرہا ہو۔ یقیناً وہ صبح کی جاگنگ کر رہا تھا۔

’’فاتح صاحب......آپ کے کام ابھی تک نہیں ہو سکے، مگر......‘‘

’’میں نے پوچھا....کیسے ہو تم؟‘‘ وہ نرمی سے پوچھ رہا تھا۔ تالیہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ سن باؤ کا غلام مجسمہ بناتی شہزادی سے ایسے ہی نرمی سے مخاطب ہوا کرتا تھا۔

’’ٹھیک ہوں۔ ایک مسئلہ پوچھنا تھا آپ سے۔‘‘

’’میرا خیال تھا تم اکثر مسئلے خود حل کر لیتے ہو۔ خیر، پوچھو۔‘‘ وہ تیز تنفس کے درمیان بولا۔ رفتار آہستہ کر دی تھی۔

’’آپ legislator ہیں۔ قانون بناتے ہیں۔ خود بھی وکیل رہے ہیں۔ مجھے بتائیں، یہ treasure trove ایکٹ کیا ہے؟‘‘

’’خزانہ ڈھونڈنے والوں کے فرائض، رائٹ؟ اس میں یہ ہوتا ہے کہ اگر آپ کو ملائیشیا میں کوئی مدفن خزانہ ملے تو آپ کو فوراً اس شہر کے ڈسٹرکٹ آفیسر کو اطلاع دینی ہوتی ہے۔‘‘

’’اور اگر کوئی اطلاع دینے کے بجائے وہ خزانہ خود رکھنا چاہے تو؟‘‘

’’تو یہ جرم ہے۔‘‘

’’لیکن اگر خزانہ اس کے اپنے آباؤ اجداد کا ہو یا اس نے خود دبایا ہو......تو یہ جرم کیسے ہوا؟‘‘

’’پچاس سال گزر جانے کے بعد مدفن چیزیں سرکار کی ملکیت بن جاتی ہیں، ہاں اگر کوئی یہ ثابت کر سکے کہ اس نے خزانہ خود دبایا

تھایا واقعی اس کے آباؤ اجداد کا ہے' تو وہ اسے مل سکتا ہے۔“

"ثابت نہیں کیا جا سکتا لیکن اگر ہمیں خود معلوم ہو کہ ہم سچے ہیں...کیا تب بھی ہم وہ خزانہ خود نہیں رکھ سکتے ؟اللہ تعالیٰ بھی جانتا ہو کہ ہم سچے ہیں' تب بھی نہیں؟"

"اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم ہوتا ہے مگر وہی ہمیں کہتا ہے کہ ہمیں law of the land کی پاسداری کرنی ہے اور ملک کا قانون ثبوت مانگتا ہے۔“

" فاتح صاحب!“اس نے آنکھیں رگڑیں۔” اگر انسان ایک راستے سے تائب ہونے کا عہد کرلے مگر پھر ایک موقع آئے..ایک temptation سامنے ہو تو کیا ایک آخری مرتبہ اس کو چکھا جا سکتا ہے؟ بس یہ آخری ہو'اس کے بعد وہ عہد کرے کہ وہ ہر رغبت سے اجتناب کرے گا۔“

"اور اگر وہ امتحان آخری امتحان ہوا...؟ اگر اس کے بعد امتحان ہی نہ ہونا ہوا اور اسی کے اوپر ہمیشہ کے لیے پاس یا فیل ہونے کا فیصلہ کیا جانا ہو؟ تب؟"

کھڑکیوں پہ ایک دم سے بوندیں برسنے لگیں۔ بارش پھر سے شروع ہو گئی تھی۔ تالیہ نے بے اختیار چہرہ شیشے سے دور کیا۔

"توبہ کا وقت تو موت تک ہوتا ہے' فاتح صاحب۔“

" دیکھو حالم...کچھ امتحانات میں سپلی آجاتی ہے اور کچھ کو فیل کرنے کی صورت میں کالج سے نکال دیا جاتا ہے۔لیکن کچھ امتحانات انٹری ٹیسٹ ہوتے ہیں۔ایک نئے طرزِ زندگی میں داخلے کا امتحان۔ان کو فیل کیا تو آپ داخل ہی نہیں ہوں گے۔بعد میں توبہ کر بھی لیں تو کس نے گارنٹی دی ہے کہ توبہ قبول بھی ہو گی؟"

"اپنی زندگی کی سب سے بڑی خواہش سامنے ہو تو اسے کیسے چھوڑا جائے' فاتح صاحب؟ اتنا بڑا دل کوئی کہاں سے لائے؟"

" دیکھو حالم ... جب اللہ تعالیٰ ہمیں امتحان میں ڈال کے محبوب چیز اور درست چیز کے چناؤ کا موقع دیتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ ہمارے اندر اچھائی کی رمق باقی ہے۔ابھی سیدھا راستہ ہمارے قدموں سے مایوس نہیں ہوا۔سیدھے راستے کی خود سے لگی یہ امید نہیں توڑنی چاہیے۔ایک طرف سے رزق نہیں آئے گا تو کسی دوسری طرف سے آجائے گا۔اتنا تو اچھائی کی طاقت پہ بھروسہ رکھو نا!“

وہ اب تیز تیز چلتے ہوئے اسے سمجھا رہا تھا۔تالیہ اے مزید کچھ نہ کہا گیا۔اس کے آنسو زاروقطار گرنے لگے۔وہ ابھی بول ہی رہا تھا جب اس نے کال کاٹ دی اور فون پرے ڈال دیا۔

سارے فیصلے اس برستی بارش نے کروا دیے تھے۔

☆......☆......☆

وہ حالم سے فون پہ بات کرتے ہوئے سڑک پہ تیز تیز چل رہا تھا جب بارش شروع ہوئی۔ٹریک سوٹ میں ملبوس' کانوں میں ہینڈز فری لگائے'اس نے چہرہ اٹھا کے آسمان کو دیکھا' پھر قدم تیز کر دیے۔قریب میں بس اسٹینڈ کا چھپر بنا تھا۔فاتح نے بات جاری رکھتے ہوئے'جیب سے پانی کی ننھی سی بوتل نکالی اور شیڈ کی طرف آ گیا۔

حالم نے ایک دم سے کال کاٹ دی تو اس نے برا مانے بغیر ہینڈز فری کانوں سے نکالے اور بینچ پہ آ بیٹھا۔پھر بوتل لبوں سے لگائی اور موبائل کھول کر دیکھنے لگا۔

گیلے بالوں اور کپڑوں کے ساتھ گہرے گہرے سانس لیتے ہوئے وہ اب ایک بھرپور چھٹی انجوائے کرتا نظر آ رہا تھا۔

”فاتح صاحب .... وان فاتح!“

آوازوں سے ہی اسے معلوم ہو گیا تھا کہ رپورٹرز نے اسے ڈھونڈ لیا ہے۔اس نے بس مسکرا کے چہرہ اوپر اٹھایا وہ تو مکھیوں کی طرح اطراف سے اس پہ جھپٹے۔پل بھر میں سامنے پانچ چھ افراد جمع ہو گئے تھے۔ایک دو نے چھتریاں تان کے باقی سب کو بھی بارش سے بچا لیا تھا۔کچھ چھپر تلے بھی آ گئے تھے۔

"آپ نے کاغذاتِ نامزدگی جمع کروا دیے ہیں۔کیا آپ خود کو بی این کا اگلا چیئر مین بنتے دیکھ رہے ہیں جبکہ کچھ عرصہ پہلے تک آپ کے استعفیٰ کی افواہیں گردش کر رہی تھیں۔“

کسی نے مائیک اس کے چہرے کی طرف کیے سوال جھاڑا۔وہ مسکرا کے پیچھے ہوا'ایک بازو بینچ کی پشت پہ پھیلایا اور ٹانگ پہ ٹانگ جمالی۔

"وان فاتح استعفیٰ نہیں دے رہا...نہ دے گا. میں الیکشن لڑ رہا ہوں اور بالکل لڑ رہا ہوں"۔

"مگر کچھ عرصہ پہلے تک لوگ آپ سے یہ سوال پوچھتے تھے تو آپ جواب گول کر جاتے تھے۔اب آپ بہت دھڑلے سے الیکشن لڑنے کی بات کر رہے ہیں۔کیا تب آپ کو لگتا تھا کہ آپ کو مخالفتوں کے باعث الیکشن سے دستبردار ہونا پڑے گا؟“

"دیکھیں الیکشن لڑنا تو میں اس دن چھوڑوں گا جس دن آپ کو اطلاع ملے گی کہ بعد نمازِ عصر وان فاتح کا جنازہ ہے۔ورنہ اس زندگی میں سیاست میں ایک دفعہ اتر جانے والا اس کو چھوڑ نہیں سکتا۔“

بارش میں کھڑے رپورٹرز کا قہقہہ گونجا۔

"مگر فاتح صاحب .... جب سے آپ کی دکانیں جلی تھیں اور آپ کی انوسٹمینٹ ڈوبی تھی' عام تاثر یہ بن گیا تھا کہ آپ کے پاس الیکشن لڑنے کا پیسہ نہیں ہے۔تو اب آپ کے مالی حالات کیسے ہیں؟"

"اب صوفیہ رحمٰن کی طرح میرے باپ نے بھی کرپشن کر کے لامحدود دولت اکٹھی کی ہوتی تو میرے مالی حالات کو اس آگ سے

فرق نہ پڑتا مگر خیر .... میں الیکشن لڑنے کی پوزیشن میں ہوں۔"

"فاتح صاحب یہ بتائیے۔" دوسرے رپورٹر نے سانس لیے بغیر پوچھا۔"تازہ اطلاع ہے کہ کل اشعر محمود بھی چیئر مین شپ الیکشن کے لئے کاغذات جمع کرانے جا رہے ہیں۔اس بارے میں آپ کیا کہیں گے؟"

فاتح نے جیب سے ہینڈز فری نکالے اور ان کی گرہ کھولتا اٹھا۔"کاغذات جمع کروانا ہر ایک کا حق ہے اور پھر الیکشن سے پہلے بہت سے کاغذات جمع کروائے جاتے ہیں۔"

ہینڈز فری کانوں میں ڈالتا وہ فٹ پاتھ پہ آگے بڑھا تو رپورٹرز اپنے مائیک اس کی طرف بڑھائے الٹے قدموں پیچھے ہٹنے لگے۔

"آپ یہ کہہ رہے ہیں کہ اشعر صاحب صرف کورنگ امیدوار ہیں؟ اور وہ بعد میں کاغذات واپس لے لیں گے؟" ایک لڑکے نے بلند آواز میں پوچھا۔(کورنگ امیدوار اصل امیدوار کا حامی ہوتا ہے اور اس لئے کاغذات جمع کرواتا ہے تاکہ اگر اصل کے کاغذات مسترد ہو جائیں تو اس کا گروپ اس کو کھڑا کر سکے۔مستردگی کے فیصلے کے آنے تک کاغذات نامزدگی جمع کروانے کا وقت ختم ہو چکا ہوتا ہے۔)

"اگر آپ مجھے اجازت دیں تو میں اپنی جاگنگ مکمل کر لوں کیونکہ میرے سامنے ایک لمبا دن ہے"۔اس نے جواب دیے بغیر فون جیب میں ڈالا اور ہینڈز فری کانوں میں پکے کرتے ہوئے قدم تیز کر دیے۔صحافی مزید سوالوں کی بوچھاڑ کرنے لگے مگر وہ جلد ہی ان کے درمیان سے راستہ بناتا... ہلکا ہلکا سا بھاگتا آگے نکل گیا۔

اور ایسے میں اس کے ذہن میں ایک خیال گردش کرنے لگا تھا۔

معلوم نہیں حالم نامی اس انویسٹی گیٹر کا کیا مسئلہ ہو گا؟

بار بار ذہن بھٹک کے اس ہی کی طرف جا رہا تھا۔

☆......☆......☆

ایڈم کے چھوٹے سے گھر کا باغیچہ اتوار کی صبح پھولوں سے مہک رہا تھا۔مرغی گھاس پر چونچ مار رہی تھی اور چوزے چوں چوں کرتے اس کے پیچھے بھاگ رہے تھے۔دیوار پہ لوہے کی تارلگی تھی جس کے باعث بلی اب وہاں دکھائی نہ دیتی تھی۔ایڈم کی ماں برآمدے کی سیڑھیوں پہ بیٹھی ڈش میں میدہ لیے پیڑے بنا رہی تھی۔بارش ختم ہوئے گھنٹہ بھر ہونے کو آیا تھا اور موسم خوشگوار تھا۔

گیٹ کی بیل بجی تو ماں نے چونک کے سر اٹھایا۔پیڑے بناتے اس کے ہاتھ رک گئے۔سامنے لگے چھوٹے سے جنگلے نما گیٹ کے پار کھڑی لڑکی صاف دکھائی دیتی تھی۔پاؤں کو چھوتا سرخ فراک پہنے کہنی پہ بیگ ڈالے 'سر پہ ترچھا سفید ہیٹ رکھے 'وہ سنہرے بالوں والی لڑکی شناسا سی تھی۔

"سلام!" سر کو خم دے کر سلام کیا تو ایبو ڈش رکھ کے آٹے سے لتھڑے ہاتھوں کے ساتھ اٹھی۔

"چے..." وہ رکی۔اس کا نام کیا تھا؟ بھول سارہا تھا۔مگر وہ جلدی سے آگے آئی اور مسکرا کے دروازہ کھولا۔

"میں ایڈم سے ملنے آئی ہوں"۔ وہ ہچکچا کے بولی۔ساتھ ہی نظروں سے باغیچے کا جائزہ لیا۔گھاس کے اختتام پہ ماچس کی ڈبی جیسا ننھا سا گھر تھا جس کی چھت مخروطی تھی۔

"آپ اندر آیئے۔میں اسے بلاتی ہوں"۔ایبو اسکرٹ سے بندھے رومال سے ہاتھ صاف کرتی اندر کو لپکی۔

"ایڈم .. ایڈم!" ماں ایڈم کے کمرے کا دروازہ تیزی سے کھول کے اندر داخل ہوئی تو دیکھا 'وہ اسٹڈی ٹیبل پہ جھکا کچھ لکھنے میں مصروف تھا ۔ چیک والی سرمئی شرٹ پہنے 'وہ سادہ حلیے میں تھا۔ ماں کو دیکھ کے چہرہ موڑا اور جمائی روکی۔

"میں ناشتے کے لئے آہی رہا تھا۔"

"وہ باہر آئی ہے ۔ کہہ رہی ہے ایڈم سے بات کرنی ہے"۔

" کون؟ "وہ چونکا" ۔ فاطمہ؟ "بے یقینی سے قلم رکھا۔

" نہیں ۔ وہ لڑکی جس نے تمہارے تایا کا خواب سن کے آمین کہا تھا"۔

ایڈم بن محمد کو چند ثانیے سمجھ ہی نہیں آیا۔ وہ ہونقوں کی طرح ماں کا چہرہ دیکھنے لگا ۔

" کون؟"

"وہ جو اشعر صاحب کی پارٹی میں موجود تھی۔سنہرے بالوں والی"....

ایڈم اتنی تیزی سے بوکھلا کے کھڑا ہوا کہ اس کے کہ اس کی ہڈیاں چٹخنے کی آواز آئی۔

"چے تالیہ؟"

"ہاں۔یہ وہی ہے نا جو کسی کی نوکرانی تھی اور اب خاندانی رئیس بننے کی اداکاری کرتی ہے؟" ایبو نے یاد کیا۔

وہ کوئی نوکرانی وغیرہ نہیں ہے ۔ وہ ملک کے اعلیٰ ترین شاہی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔شہزادیوں سے بھی اعلیٰ ہے وہ۔" وہ بگڑ کے جلدی جلدی بولا تھا۔

تالیہ گیٹ کی طرف پشت کئے کھڑی تھی جب وہ دوڑتا ہوا باہر آیا ۔ اس کا لمبا سرخ فراک , سر کا ہیٹ ,اور پیچھے گرتے سنہری بال یہاں سے دکھائی دیتے تھے ۔ ایڈم نے شرمندگی سے اپنے چھوٹے سے باغیچے کو دیکھا , پھر ہاتھوں سے شرٹ کی نادیدہ شکنیں درست کیں اور کنکھارتا ہوا قریب آیا۔

"چے تالیہ!"

وہ اس کی طرف گھومی۔دونوں کی نظریں ملیں ۔ تالیہ نے سفید ہیٹ ترچھا کیا تو اس کا چہرہ پورا نظر آیا۔اس چہرے پہ صرف سادگی تھی۔

"اندر ... اندر آیئے۔"

وہ گیٹ کے باہر کھڑی تھی۔یعنی سڑک پہ۔اردگرد چھوٹے گھروں کی قطار تھی اور لوگ آ جا رہے تھے۔ایک لڑکی پرام دھکیلتی آ رہی تھی ۔ایک فربہی مائل عورت گروسری کے تھیلے اٹھائے سامنے جا رہی تھی۔ایک بوڑھا جوڑا خوشگوار موسم کے باعث واک کرنے نکلا ہوا تھا۔

"یہ عورت کبھی اس لڑکی جیسی ہوگی۔"اس نے ابرو سے سامان اٹھائے چلتی عورت کی طرف اشارہ کیا تو ایڈم نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں پہلے اس موٹی عورت کو دیکھا' پھر اس نوجوان لڑکی کو۔"کبھی یہ اتنی پتلی ہوگی لیکن اپنی شادی کے تین چار سال بعد یہ ایسی ہوگئی ہوگی۔تقریباً بیس کلو وزن بڑھا ہوگا جس کو یہ گھٹا نہیں سکی ہوگی۔"

ایڈم غور سے اسے بولتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔اپنے گھر پہ شرمندگی' اپنا ارف حلیہ' ساری فکریں ذہن سے محو ہونے لگیں۔

"جانتے ہو پتلے لوگ موٹے کیوں ہو جاتے ہیں؟" تالیہ گردن موڑے پتلی لڑکی کو پرام دھکیلتے دیکھ رہی تھی.

" کیونکہ وہ بہت کھاتے ہیں۔"

" مگر کتنا کھاتے ہیں؟ پتہ ہے ایک تحقیق ہوئی اس بارے میں کہ پتلے لوگوں اور موٹے لوگوں کی روزانہ کی خوراک میں کتنا فرق ہے؟"

وہ مدھم مسکراہٹ کے ساتھ بتا رہی تھی۔

"موٹے اور پتلے لوگوں کی سال بھر کی خوراک کا موازنہ کیا گیا تو معلوم ہے' شاہی مورخ' ہر روز موٹے لوگ پتلے لوگوں سے کتنا زیادہ کھاتے ہیں؟"اس نے چہرہ موڑ کر چمکتی آنکھوں سے اسے دیکھا .

"صرف ایک نوالہ زیادہ!"

ایڈم نے بےیقینی سے ابرو اٹھائے۔

"ایک نوالہ؟ صرف ایک نوالے سے کون موٹا ہوتا ہے؟"

"بالکل۔یہ عورت بھی یہی سمجھتی ہوگی کہ روز کا ایک نوالہ زائد کھانے سے میں موٹی کہاں ہو سکتی ہوں۔مگر ہر روز کا ایک زائد نوالہ جو اندر جاتا ہے' وہ جمع ہوتا جاتا ہے اور سال بھر میں چار پانچ کلو وزن بڑھا دیتا ہے۔شادی کے چوتھے پانچویں سال تک لڑکیاں پندرہ بیس کلو بڑھا کہ موٹی مرغیوں جیسی بن جاتی ہیں کیونکہ ان اب کو لگتا ہے کہ ایک نوالہ .... ذرا سی چیٹنگ ..... سے کوئی فرق نہیں پڑتا".

پھر وہ پوری اس کی طرف گھومی اور اداس مسکراہٹ کے ساتھ اس کی آنکھوں میں دیکھا۔

"لیکن فرق پڑتا ہے۔روز کے چھوٹے چھوٹے جھوٹ اور چھوٹی چھوٹی خیانتیں جمع ہو کے بہت بڑا ڈھیر لگا دیتی ہیں اور ان سے

جان چھڑانا اتنا ہی مشکل ہوتا ہے جیسے بڑھا ہوا وزن کم کرنا۔ان دونوں کاموں کے لئے بہت سا صبر اور پرہیز کرنا ہوتا ہے۔ پلیٹ میں پیش کی گئی رغبتوں کو دیکھ کے بھی انکار میں سر ہلانا پڑتا ہے۔‘‘

"آپ نے فیصلہ کرلیا ہے؟"

"ہاں ... میری کار میں کھدائی کا سامان پڑا ہے۔میرے ساتھ ملاکہ چلو۔ہم اپنا خزانہ کھود کے نکالیں گے اور پھر ہم فورا ڈسٹرکٹ آفیسر کو خبر دیں گے۔ہم اسے پوری ایمانداری سے سرکار کے حوالے کردیں گے".

ایڈم نے اسے پتلیاں سکوڑ کے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔’’میں کیسے یقین کروں کہ آپ خزانہ دیکھتے ہی کدال میرے سر پہ نہیں دے ماریں گی؟ اور کھودے ہوئے گڑھے میں میری لاش ڈال کے جے دفنا کے سارے ثبوت نہیں مٹا دیں گی؟"

تالیہ نے تھکی ہوئی سانس بھری۔

"اگر مجھے ایسا کرنا ہوتا تو تمہیں ساتھ کیوں لے کر جاتی؟ اکیلی ہی سارا خزانہ نکال کے غائب ہوجاتی۔تم نے پولیس کو نہ بتانے کا وعدہ کیا تھا۔‘‘

"واقعی مجھے ساتھ لے کر جا کیوں رہی ہیں آپ؟"

"تا کہ تم اپنی آنکھوں سے دیکھ لو کہ تالیہ بنتِ مراد اپنے باپ جیسی نہیں ہے . وہ اس خزانے کو نہیں لوٹے گی جو اس کے ملک کے لوگوں کی امانت ہے۔اور میرے خواب کے مطابق ہم دونوں اکٹھا خزانہ نکالنے کی باتیں کر رہے تھے۔ایک خزانہ ہم نے پہلے بھی ایک ساتھ ڈھونڈا تھا۔جیسے تم نے اس خزانے کی حفاظت کی تھی' آج مجھے اس کی کرنے دو۔‘‘

ایڈم کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑ گئے۔ماتھے کے بل غائب ہوگئے۔وہ پورے دل سے مسکرایا .

"آپ واقعی بدلنا چاہتی ہیں؟"

"ہاں مجھے اچھائی کی طاقت پر اتنا بھروسہ تو ہے ہی". ہیٹ والی لڑکی مسکرا رہی تھی . ایڈم کا دل خوشی سے بھر گیا .

"لیکن آپ کے امیر ہونے کا خواب ادھورا رہ جائے گا۔‘‘

تالیہ مراد نے ہیٹ ترچھی کی اور معنی خیزی سے مسکرائی" . کس نے کہا؟"

ایڈم کی مسکراہٹ غائب ہوئی۔’’یک منٹ...آپ نے ابھی کہا کہ آپ خزانے کو ہاتھ نہیں لگائیں گی۔‘‘

"ہرگز نہیں...میں نے یہ کہا کہ ہم ڈسٹرکٹ آفیسر کو اطلاع دیں گے' اور خزانہ حکومت کے حوالے کردیا گے . مگر یو نو واٹ ایڈم۔تم میں اور مجھ میں یہی فرق ہے . تم بہت سیدھے ہو . میں نہیں ہوں . میں نے ٹریژر ٹروو ایکٹ پڑھا ہے . اس کے مطابق حکومت کو خزانہ ڈھونڈنے والوں کو انعام بھی دینا ہوتا ہے".

"انعام؟" .. ایڈم کا منہ کھل گیا۔

"ہاں اور جب ہم سرکار سے خزانے کی ڈیل کریں گے تو ان سے عہد لیں گے کہ انعام خزانے کا percentage ہونا چاہئے. کروڑوں کے خزانے کا معمولی حصہ بھی بہت ہی ہوگا۔ حکومت بہت آرام سے چند نوادرات ہمیں دے دے گی جس کو میں بھرپور پروموشن کے بعد کروڑوں میں بیچوں گی. ہاں ہم اس رقم سے بہت امیر نہیں ہو جائیں گے مگر ایک نئی زندگی شروع کرنے کے لیے اتنی رقم کافی ہے. اور پھر میرے پاس ملاکہ سے لایا گیا قیمتی زیور بھی ہے اور وان فاتح مجھے بی این اعلیٰ پائے کی جاب بھی دلوا دیں گے. یہ بھی کم نہیں ہے".

"اور میں سمجھا چے تالیہ اپنے سارے خواب بھلا کر درویشانہ زندگی گزارنے جا رہی ہیں مگر آپ نہیں بدلیں گی۔" وہ مصنوعی خفگی سے بولا تو تالیہ نے کندھے اچکائے.

"خوابوں پر شہزادی تالیہ کبھی سمجھوتہ نہیں کرتی.. گستاخ مورخ" پھر اس کے دائیں ہاتھ کو دیکھا جسے ایڈم نے سرعت سے پیچھے کر لیا ۔"میں لباس تبدیل کر کے آتا ہوں, آپ یہیں رکیں"

وہ جیسے ہی اندر آیا ایبو پیچھے پیچھے چلتی آئی "تم دونوں کسی خزانے کی بات کر رہے تھے, ایڈم مجھے بتاؤ یہ کیا ہو رہا ہے؟"

"ایڈم بن محمد کو زمین میں چھپے خزانے کا راز ملنے والا ہے, ماں۔ تایا کی دعا قبول ہونے والی ہے۔" وہ الماری میں ہینگرز ادھر ادھر کرتے ہوئے عجلت میں بتانے لگا. چہرہ جوش سے تمتما رہا تھا.

چوکھٹ میں کھڑی ایبو نے گہری سانس لی" . اور اس روز تم دنیا کے بادشاہوں سے زیادہ طاقتور بن جاؤ گے. یہ بات بھی اس خواب میں شامل تھی۔

ایڈم کے ہاتھ رکے۔ وہ ٹھٹھکا۔ بے اختیار کموڈو ڈریگن کی لاش اور وہ غار یاد آیا جو سونے سے بھرا تھا۔

(ایک خزانے کا راز اسے پہلے بھی ملا تھا مگر اس نے کسی مقام پہ خود کو بادشاہ سے زیادہ طاقتور تصور نہیں کیا تھا, اور طاقتور تو وہ اب بھی نہیں بنے گا. تو پھر..؟)

خیر....اس نے سر جھٹکا اور کپڑے نکالنے لگا۔

☆......☆......☆

اس مصروف سڑک کے دونوں اطراف میں ڈیزائنر شاپس بنی تھیں۔ شاپنگ کرتے لوگ سڑک کنارے ٹہل رہے تھے۔ دکان کے اندر بھی اشیاء دور سے چمکتی دکھائی دے رہی تھیں۔ ایک جیولری اسٹور کے دروازے سے سمیع اندر داخل ہو رہا تھا۔

سمیع کے بال مناسب کٹے تھے اور آنکھوں پہ مہنگے فریم والا نظر کا چشمہ تھا۔ ڈیزائنر کوٹ پہنے' انگلی میں سونے کی قیمتی انگوٹھی' کلائی میں سنہری گھڑی باندھے وہ بظاہر کوئی مالدار آدمی لگتا تھا۔ سانولے چہرے پہ بے نیاز مسکراہٹ تھی اور عقاب جیسی آنکھیں اطراف کا جائزہ

لے رہی تھیں۔

مینجر اس کو دیکھ کے فوراً اٹھا۔ وہ مسکرا کے قریب آیا اور زیورات سے سجے شوکیس کے ساتھ رکھی کرسی پہ بیٹھا.

"بتایئے سر کیا دیکھنا چاہیں گے؟" یہ درمیانے درجے کا اسٹور تھا اور اس میں ڈیزائنر جیولری تو نہ تھی , لیکن پھر بھی اس کا شمار قابل بھروسہ جیولرز میں ہوتا تھا۔

سینئر مینجر نے نگاہوں سے اس آدمی کی مالی حیثیت کا اندازہ کرنا چاہا .وہ کوئی ونڈو شاپر نہیں لگتا تھا .

ظاہر ہے وہ اس بات سے واقف نہ تھا کہ سمیع نے ادھار کی چیزیں پہن رکھی تھیں .اسکے مالی حالات خراب تھے آج کل اور کام ٹھنڈا تھا .قرض الگ چڑھے تھے .ایسے میں تالیہ کے ٹاپس اس کا واحد ہتھیار تھے .ہاں مگر وہ بیوقوف نہ تھا کہ ٹاپس بیچنے کی کوشش کرتا. اس نے اپنے سنار دوست سے ہیرے نکلوائے تھے اور ان ہیروں کی پرانی تاریخوں میں کسی درمیانے درجے کے اسٹور کی رسیدیں بھی بنوا لی تھیں .ایسے اسٹور کے جیولر مالکان اپنے جاننے والے چوروں اور نوسر بازوں کی چوری شدہ رسیدیں بنا دیتے تھے تاکہ انہیں بیچنا آسان ہو .اسکے سنار دوست نے ہیرے دیکھتے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ بہت قیمتی ہیں .وہ ٹاپس بلیو ڈائمنڈ کے تھے اور ڈیزائنر جیولری معلوم ہوتے تھے .یقیناً تالیہ کو اس کے کسی چاہنے والے نے دیئے ہونگے .

"اپنی والدہ کے ڈائمنڈز کو میں انگوٹھی میں جڑوانا چاہتا ہوں۔ دراصل میری شادی ہو رہی ہے" وہ مسکرا کے بتا رہا تھا .ساتھ ہی جیب سے ایک باکس نکالا اور اسے کھولا۔اس کے اندر وہ دونوں ہیرے ایک سونے کے لاکٹ کے ساتھ پڑے دکھائی دیتے تھے۔لاکٹ پرانا تھا اور ایسا لگتا تھا اندر سے ہیرے اتارے گئے ہیں۔

"میں نے ایک جیولر سے ان کو اتروایا مگر اس نے انگوٹھی کے جو ڈیزائن دکھائے وہ مجھے پسند نہیں آئے۔ میں اسے آپ کے پاس لے آیا۔''

"شیور سر...آپ کے ذہن میں کوئی ڈیزائن ہے؟"

مینجر نے فوراً باکس قریب کیا اور ٹوئیزر سے ایک ہیرا اٹھا کے دیکھا۔اس کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی .

"میں یہ ڈیزائن چاہ رہا تھا۔میری منگیتر کو یہ پسند ہے مگر سرپرائز دینا ہے تو اس لیے...'' وہ موبائل پہ ایک ڈیزائن دکھانے لگا۔

"آپ کے پاس رسید ہے نا اس کی؟ دراصل سسٹم ایسا ہے کے"... مینجر وضاحت دینے لگا۔ بظاہر شک کرنے کی وجہ تو نہ بنتی تھی مگر وہ مجبور تھا۔

"آف کورس ہے'۔اس نے جیب سے فورا کاغذ نکال کے دکھائے" . والدہ نے قریباً پانچ برس پہلے یہ لاکٹ بنوایا تھا۔ان کی وفات کے بعد سے ایسے ہی پڑا ہے".اب وہ رٹی رٹائی کہانی سنا رہا تھا۔

"بہت قیمتی ہیرا ہے یہ"۔ مینجر متاثر کن نظروں سے ہیرے کو الٹ پلٹ کے دیکھ رہا تھا ۔ پھر اس نے احتیاط سے دونوں ہیروں کو ڈبی میں ڈالا۔

"میں ان کو چیک کر لوں' پھر بتاتا ہوں کہ کیا کرنا ہے"۔ خوش اخلاقی سے کہتا مینجر ہیروں کو لئے شوکیس کے سرے تک آیا جہاں نیچے چند مشینیں رکھی تھیں ۔ اس نے مائیکرواسکوپ کی طرح کی مشین میں ایک ہیرا رکھا اور آنکھ مقررہ جگہ پہ لگا کے اسے پرکھنے لگا ۔

اسٹور کے قیمتی ہیروں اور سونے کی چمک سمیع کی آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھی ۔ اے سی کے ٹھنڈے اور خنک ماحول میں وہ خود کو بہت آرام دہ محسوس کر رہا تھا جب مینجر واپس اس تک آیا ۔

" آپ کے ہیرے بالکل اصلی ہیں ۔ اچھا اب میں آپ کو چند فریش ڈیزائن دکھا دیتا ہوں جو آپ کی خوش قسمت وائف کو بہت پسند آئیں گے۔'' مینجر خوش دلی سے چند کیسز نکال لایا۔ پھر ایک ایک انگوٹھی نکال کے دکھائی۔ اپنی چرب زبانی سے وہ ہر انگوٹھی کے ڈیزائن کی شان میں قلابے ملا رہا تھا۔

سمیع کچھ دیر ان کو دیکھتا رہا ۔ یوں ظاہر کیا جیسے اسے ڈیزائن پسند نہ آ رہے ہوں۔

''شاید ہیرے بہت بڑے ہیں۔ ان کو بیچ کے میں چھوٹے ہیرے خرید کے اگر انہیں یوں بنوالوں تو...'' وہ ایک ڈیزائن پہ انگلی رکھ کے بولا تو جیولر گہری سانس لیتے ہوئے پیچھے ہوا۔

''نو تھینکس جناب۔ مجھے آپ کے چوری کے ہیرے نہیں خریدنے۔'' جیولر کا لہجہ ایک دم روکھا ہوا تو سمیع نے چونک کے اسے دیکھا جو سمیع کے پیچھے کسی کو دیکھ رہا تھا۔

سمیع ایک دم گھوما۔ کرسی بھی ساتھ ہی گھومی۔

دکان کے دروازے سے تین پولیس آفیسرز داخل ہو رہے تھے۔

"ایک منٹ-میرے ہیرے چوری کے نہیں ہیں۔"اس نے بوکھلا کر مینجر کو پکارا۔" آپ نے پولیس کیوں بلا لی ہے؟"

" کہانی اچھی گھڑ لی آپ نے جناب۔" جیولر رکھائی سے کہتا اٹھا اور اپنے کیسز سمیٹنے لگا۔ پولیس والے اس کے گرد گھیرا بنائے کھڑے ہو گئے۔ وہ سمیع کو گھور رہے تھے جو حیران پریشان رہ گیا تھا۔

"اور میں آپ کی کہانی میں آ بھی گیا تھا لیکن میں نے ہیروں کو چیک کر لیا۔ جس سنار سے آپ نے یہ جعلی رسیدیں بنوائی ہیں، اس کے پاس میرے والی مشین نہیں ہو گی ورنہ بتا دیتا کہ ان ہیروں پہ laser inscription کی گئی ہے جس میں ان کا سرٹیفائیڈ نمبر لکھا ہے۔ یہ آپ کی والدہ کے نہیں ہیں جناب۔ یہ ہیرے Joyalukkas کے ٹاپس سے اتارے گئے ہیں اور یہ ایک سال پہلے ایک سنگاپورین خاتون کے پاس سے چوری کیے گئے تھے اور ان کا سرٹیفکیٹ نمبر پولیس نے تمام ڈائمنڈ ڈیلرز کو بھیج رکھا تھا۔ آپ کو شاید یہ بھی

معلوم نہیں کہ ڈیزائنر جیولری جب بھی چوری ہوتی ہے، اس کے مالکان اس کا laser انسکرائبڈ نمبر پولیس کو دے دیتے ہیں۔" وہ ٹھک ٹھک انگوٹھیوں کے ڈبوں کے ڈھکن بند کر رہا تھا اور سمیع کے قدموں تلے زمین سرک رہی تھی۔

''یہ میں نے نہیں چرائے۔ مجھے میری بیوی نے دیے تھے یہ۔''

''یہ ہیرے صرف چوری شدہ نہیں ہیں' مسٹر۔'' افسر نے اس کے ہاتھ پیچھے لے جا کر ہتھکڑی لگاتے کہا۔ ''یہ ہیرے ایک قتل کے سین سے چرائے گئے تھے۔ اب تم تھانے چل کے ہمیں یہ بتاؤ گے کہ اس قتل سے تمہارا کیا تعلق ہے؟''

"اف!" سمیع نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

وہ اسے جان بوجھ کے باتھ رومز تک لائی تھی کیونکہ وہاں کیمرے نہیں لگے تھے۔ اس نے جان بوجھ کے اس وقت صرف موٹے موٹے ٹاپس پہن رکھے تھے تاکہ وہ ان کے لالچ میں آجائے۔ اس کا وہ ڈرنا' وہ غصہ کرنا' وہ سب۔۔۔ سب اداکاری تھا۔ اس نے اسے بہت برا پھنسایا تھا۔

اف! اس کا دماغ گول گول گھوم رہا تھا۔

☆......☆......☆

ملاکہ شہر میں سن باؤ کا گھر ویسا ہی تھا جیسا وہ ہفتہ بھر پہلے رات کو چھوڑ کے گئے تھے۔ وہی سرخ حویلی۔ وہی کنواں۔ وہی تروتازہ پودے اور وہی لال اینٹوں والا صحن۔ مجسمہ بھی ویسے ہی فخر سے سر بلند کیے کھڑا تھا۔ اس کی پتھریلی آنکھیں سنجیدگی سے سامنے والی دیوار کو دیکھ رہی تھیں۔

اس وقت ان کو کھدائی کرتے کئی گھنٹے بیت چکے تھے۔ مجسمے کے قریب اینٹیں اکھڑی پڑی تھیں اور گہری جگہ کھدی ہوئی تھی۔ شام ہو چکی تھی اور وہ دونوں مٹی سے اٹے کپڑوں کے ساتھ دستانے چڑھائے، بال پلاسٹک کیپ میں ڈھانکے، کدالیں پکڑے کھودنے میں لگے تھے۔

"اب تک ہمیں یہ جگہ کھود لینی چاہیے تھی۔" ایڈم سانس لینے کو رکا تو شکایتی انداز میں بولا۔ اس کا چہرہ مٹی سے اٹا تھا اور کپڑے بھی میلے ہو رہے تھے۔

تالیہ نے کدال کا پھل زمین پہ گاڑھا اور اس پہ دونوں ہاتھ جما کے ذرا دیر کو ستانے رکی۔

"احتیاط سے کام کرنا تھا نا۔ ورنہ سارے بازار کو اطلاع مل جاتی کہ یہاں کھدائی ہو رہی ہے۔"

"آوازیں تو اب بھی گئی ہوں گی۔"

"اسی لیے آتے وقت آس پاس بتا دیا تھا کہ نئی کرایے دار ہوں اور گھر کی ری ماڈلنگ کروا رہی ہوں۔ بے فکر رہو۔ کوئی شک

نہیں کرے گا۔"اس نے پھر سے کدال اٹھالی اور زمین کھودنے لگی۔

چھے سو سال نے اس جگہ کو بدل کے رکھ دیا تھا۔مجسمہ ویسا نہ تھا جیسا اس نے بنایا تھا۔جگہ جگہ سے وہ ٹوٹا ہوا لگتا تھا گویا بعد میں مرمت کی گئی ہو۔صحن بھی کئی دفعہ بنایا گیا تھا مگر زمین پرانی تھی۔

جیسے آسمان پرانا تھا۔جیسے ملاکہ کا بوڑھا سمندر پرانا تھا۔

بس ہوا میں cesium کی ملاوٹ تھی۔

کدال کی ہر ضرب کے ساتھ مٹی نکلتی جا رہی تھی اور وہ اپنے مطلوبہ صندوق کے قریب پہنچتے جا رہے تھے۔۔۔مٹی پہ نظریں جمائے،کدال اس میں مارتے،اس کے ذہن کے پردے پر ایک نیلی شام اترنے لگی۔

پرانے وقتوں کے ملاکہ میں سن باؤ کے گھر کی شام۔۔۔

سن باؤ وانگ لی کام سے باہر گیا تھا۔شاہی سپاہی حویلی کے سامنے پہرے پہ مقرر تھے۔ایڈم آج جلدی چلا گیا تھا مگر شہزادی تاشہ وہیں بیٹھی مجسمہ بنا رہی تھی۔اس نے تاج سر پہ جما رکھا تھا اور جھمکے پہنے ہوئے تھے۔لباس بھی زرتار تھا۔تاج سے نکل کے پیچھے گرتا کپڑا سر کو ڈھانکے ہوئے تھا۔اس کا مدار لباس کے باوجود وہ مہارت سے مجسمے پہ ہاتھ چلا رہی تھی۔

"اتنے سال میں نے اس مجسمے کو دیکھا۔مگر میں نہیں جانتا تھا کہ یہ وقت میں پیچھے جا کے تم نے بنایا تھا۔" آواز پہ وہ چونک کے پلٹی۔

فاتح اوپر اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑا تھا۔تالیہ نے گردن اٹھا کے اسے دیکھا اور مسکرائی۔

''تو انکو!''

"شہزادی!" فاتح نے سر کو خم دیا۔ادب یہاں بھی پہلا قرینہ ہی تھا۔

"آپ کے گھر میں جو مجسمہ نصب ہے،اس پہ جگہ جگہ ٹوٹ پھوٹ ہوئی نظر آتی ہے۔مجھے یاد ہے ہمارے وقت میں سفر والے روز عصرہ کے مدعو کرنے پہ میں وہاں گئی تھی تو دیکھا تھا۔"

"ہاں کونوں سے وہ ٹوٹتا رہتا ہے مگر تاریخی ورثے کی حفاظت کے شوقین لوگ اس کی مرمت کرواتے رہتے ہیں۔آخری دفعہ عصرہ نے اس کی نوک پلک سنواری تھی۔" وہ زینے اترتے ہوئے نیچے آیا تو ساتھ ہی بولتا جا رہا تھا۔وہ گارے میں لتھڑے ہاتھ لیے اس کو دیکھے گئی۔

سفید چھوٹے کرتے اور پاجامے میں وہ صاف رنگت والا اونچا لمبا غلام مسکراتے ہوئے قریب آ رہا تھا۔ملائیشیا میں وہ ایک اسٹار سلیبریٹی تھا۔اور یہاں وہ ایک غلام۔

مگر دونوں جگہوں پہ وہ 'اس' کا تھا۔

" کیا سوچنے لگیں؟" وہ اس کے بالکل سامنے آرکا۔ مسکراتے ہوئے غور سے اس کی آنکھوں کو دیکھا۔

وہ سنبھل کے مسکرائی۔ "عجیب باتیں سوچتی ہوں میں آج کل۔"

"مثلاً؟"

" کیا ہم واپس جا سکیں گے تو انکو؟"

"میں نے وعدہ کیا ہے کہ ہم جائیں گے تو ضرور جائیں گے۔" پھر آواز دھیمی کی۔ "ایک دفعہ ہمیں مراد راجہ کا خزانہ مل جائے۔۔۔ہم اس کو ایسے گھیریں گے کہ اسے اپنی جان بچانے کے لیے ہمیں وہ چابی دینی پڑے گی۔" وہ مطمئن تھا۔ پرامید تھا۔ اس وقت تک اس کو مراد راجہ کی "شرط" کا گمان تک نہ ہوا تھا۔

"سوچ رہی ہوں واپس جا کے کیا ہوگا؟" وہ اپنی سوچتی نظریں اس کے وجیہہ چہرے پہ جمائے ہوئے تھی۔ ہاتھوں کی مٹی سوکھنے لگی تھی۔ " آپ تو مجھے آزاد کر دیں گے مگر۔۔۔ سارا ملک، آپ کا خاندان۔۔ دوست۔۔۔ فینز۔۔ کوئی بھی نہیں جان پائے گا کہ آپ نے چھے سو سال پہلے کی ایک شہزادی سے شادی کی تھی۔"

" کیا تم چاہتی ہو کہ لوگ جانیں؟"

"میں چاہتی ہوں کہ مجھے آزاد کرنے کے بعد بھی آپ ایسے ہی رہیں۔ کے ایل میں آپ مجھے ایک بگڑی ہوئی امیر زادی سمجھتے تھے۔ مگر اب آپ جانتے ہیں کہ میں ایسی نہیں ہوں۔ ہم نے اندھیر جنگلوں کا سفر ایک ساتھ کیا ہے۔ میں چاہتی ہوں آپ مجھے کبھی نہ بھلائیں۔"

"میں تمہیں کیسے بھلا سکتا ہوں؟ یہ وقت تو ایک سرمایہ ہے۔ ہم نے اس سے سیکھنا ہے۔ ماضی ہوتا ہی سیکھنے کے لیے ہے۔"

تالیہ نے مسکرا کے سر کو خم دیا۔ "میرے خواب میں آپ نے کہا تھا کہ میں آپ کے ساتھ رہوں آپ کو میری ضرورت ہے اور مجھے آپ کی۔"

"سوری مگر وان فاتح کو کسی کی ضرورت کبھی نہیں رہی۔" اس نے شانے اچکا دیے۔ پھر ساتھ سے گزر کے آگے آیا اور قریب سے مجسمہ دیکھنے لگا۔ تالیہ نے پلٹ کے اسے دیکھا۔

"اور اگر مجھے آپ کے قریب رہنا ہو تو میں کیا کروں؟"

نیلی شام ابھی تک روشن تھی اور سن باؤ کا گھر خاموش تھا۔ ایسے میں آدھے بنے مجسمے کے ساتھ وہ دونوں یوں کھڑے تھے کہ فاتح مجسمے کو دیکھ رہا تھا اور وہ آدھی مڑ کے اسے۔

"تم کئی دفعہ کہہ چکی ہو کہ تم یہاں سے دور چلی جاؤ گی۔ امریکہ وغیرہ۔"

"چلی تو میں جاؤں گی...اپنی کچھ چیزیں لے کر۔" اس نے نظریں جھکا کے مجسمے کے قدموں کو دیکھا جہاں زمین برابر تھی مگر منوں مٹی تلے اس کا خزانہ چھپا تھا۔" لیکن اگر کبھی ارادہ بدل دوں اور آپ کے ساتھ رہنا چاہوں تو کیسے رہوں؟"

وہ آہستہ سے اس کی طرف گھوما۔ایسے کہ پتلیاں سکیڑے اس کی بات پہ کچھ سوچنے لگا تھا۔

"میرے آفس میں جاب کر لینا۔"

" مگر آپ کو تو میری ضرورت نہیں ہے۔" اس نے فوراً جتایا۔

"ہاں وہ تو نہیں ہے،لیکن میری زندگی، تالیہ، صرف کام کے گرد گھومتی ہے۔اگر تمہیں میرے قریب رہنا ہے تو تمہیں میرے آفس میں جاب کرنی پڑے گی۔" پھر سے کندھے اچکائے۔سدا کا بے نیاز اور مطمئن آدمی۔

""" آپ کے آفس میں مجھے کون سی جاب مل سکتی ہے؟" پھر ٹھہر کے بولی۔" آپ کے آفس میں کون سی جاب اعلیٰ ترین ہے اور کون سی ادنیٰ ترین؟"

"اعلیٰ ترین تو ممبرز پارلیمنٹ ہوتے ہیں۔"

"وہ تو میں بن نہیں سکتی۔ادنیٰ ترین کون ہوتے ہیں؟"

"سب سے ادنیٰ اور معمولی جاب سیکورٹی ورکرز کی ہوتی ہے مگر نہیں، وہ آفس کے باہر ہوتے ہیں۔پھر رہ گیا لفٹ والا آدمی۔ اونہوں۔وہ بھی ہمارے فلور پہ نہیں ہوتا۔'' وہ تھوڑی کھجاتے ہوئے سوچنے لگا۔'' ہاں...سب سے کم تنخواہ والے تو پرسنل ایڈ یا باڈی مین ہی ہوتے ہیں۔اور سب سے اچھی جاب ڈیپارٹمنٹ ہیڈز کی ہوتی ہے۔وہ اپنی ذہانت اور دانائی کی وجہ سے وہاں تعینات ہوتے ہیں۔کوئی سوشل میڈیا ٹیم کا منیجر ہے تو کوئی میڈیا یا اسٹریٹجی کمیٹی کا ہیڈ، مگر دراصل یہ لوگ کنگ میکرز ہوتے ہیں۔"

'' تو سب سے اعلیٰ جاب کنگ میکرز کی ہوتی ہے؟" اس کی آنکھیں چمکیں۔

"بالکل۔" پھر اسے دیکھ کے مسکرایا۔" میرا تم سے وعدہ ہے۔تم جب بھی مجھ سے جاب مانگنے آؤ گی، میں تمہیں اپنا کنگ میکر بناؤں گا۔اس عہدے کا جو نام بھی ہو' وہ کنگ میکر کا عہدہ ہی ہوگا۔"

"اور اگر شہرت اور طاقت کی چکا چوند میں آپ اپنا وعدہ بھول گئے تو؟" اسے واہمہ سا ہوا۔

" بھول بھی گیا تو تم اتنی قابل ہو کہ کسی بھی سیاسی جماعت میں بہت جلد میرٹ اور محنت سے کنگ میکر بن جاؤ۔" پھر وہ ٹھہرا۔

" لیکن یاد رکھنا۔راسپوٹین کسی کو اچھے نہیں لگتے۔" تنبیہہ کی۔تالیہ کے ابرو اچنبھے سے اکٹھے ہوئے۔

"راسپوٹین کون؟"

"روسی بادشاہ نکولیس کا سلطان ساز۔ویسے تو وہ نکولیس کے بیمار بیٹے اور بیوی الیگزینڈرا کا معالج اور پیر تھا، لیکن بادشاہ کا اصل

ہمراز اور مشیر بھی تھا۔ بادشاہ ہر فیصلہ اپنے اسی روحانی پیشوا سے پوچھ کے کرتا تھا۔ الیگزینڈ را اور راسپوٹین، ان دونوں کے غلط مشوروں سے نکولیس کو نقصان پہنچا تھا۔ دونوں سے عوام شدید نفرت کرتے تھے۔ آخر میں راسپوٹین کو ایک دوسرے شہزادے نے دعوت کے بہانے گھر بلا کے قتل کر دیا تھا۔"

الفاظ کی سنگینی نے سرخ صحن کو اداس کر دیا۔

"عوام سلطان سازوں سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں؟"

" کیونکہ وہ اپنے لیڈر کو اپنے علاوہ کسی کی خواہش پہ چلتا نہیں دیکھ سکتے۔ آزاد لیڈر کسی سلطان ساز، کسی مشیر کی خواہش پہ چلتا بھی نہیں ہے۔ وہ اصولوں پہ چلتا ہے اور صرف درست مشورہ قبول کرتا ہے۔ مگر مزے کی بات یہ ہے کہ عوام کبھی اپنے لیڈر کو قصوروار نہیں ٹھہراتے۔ وہ راسپوٹین جیسے سلطان سازوں اور الیگزینڈرا جیسی ناعاقبت اندیش بیویوں سے نفرت کرتے ہیں۔ لیڈر آخر تک ہیرو رہتا ہے۔"

وہ دونوں مجسمے کے ساتھ صحن میں کھڑے دھیمی آواز میں بات کر رہے تھے۔

"اور آخر میں سارے طاقتور سلطان ساز قتل کیوں ہو جاتے ہیں؟"

" کیونکہ اگر وہ بادشاہ کے ساتھ وفادار نہ رہیں تو بادشاہ کو مار کے تخت پہ قبضہ کر لیتے ہیں۔ لیکن اگر وفادار رہیں تو بادشاہ کا ان سے اعتبار کوئی نہیں ہٹا سکتا۔ کوئی سازش، کوئی چال ان کا مقام نہیں گھٹا سکتی تو حاسد رقیب ان کی جان لے لیتے ہیں۔ سلطان ساز بننا آسان نہیں ہے۔ اور گو کہ میں تمہیں جاب دینے کا وعدہ کرتا ہوں، لیکن میں دل سے کبھی نہیں چاہوں گا کہ تم میرے آفس میں میرے ساتھ اس طرح کام کرو۔"

" کیوں؟" وہ چونکی۔

" کیونکہ۔" وہ چند قدم آگے بڑھ آیا اور ملال سے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ "یہ ایسی دلدل ہے جس میں کیچڑ ہی کیچڑ ہے۔ یہ تمہیں اپنے اندر دھنسا لے گی۔ اور اگر دھنسا نہ سکی تو لباس داغدار ضرور کر دے گی۔ میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ صرف میرے ساتھ رہنے کے لیے تم اس دلدل میں قدم رکھو۔"

وہ فکرمند لگتا تھا۔ تالیہ مسکرا دی۔

"جیسے آپ کو میری ضرورت نہیں، ویسے ہی مجھے بھی آپ کی ضرورت نہیں۔ میں تو آپ کا امتحان لے رہی تھی۔" پھر شہزادی نے گھمنڈی انداز میں سر جھٹکا اور بے نیازی سے واپس گارے کی طرف پلٹ گئی۔

فون کی گھنٹی نے اسے چونکایا تو وہ حال میں واپس آئی۔

ایڈم اور وہ خزانے کے قریب پہنچ چکے تھے اور اس کا فون بج رہا تھا۔ تالیہ نے کدال رکھی اور فون جیب سے نکالا۔ دستانہ اتارتے

ہوئے پیغام دیکھا۔ پھر مسکرا دی اور فون واپس رکھ دیا۔

" کیا ہوا؟" ایڈم نے زمین کھودتے ہوئے تشویش سے سر اٹھایا۔

"میرا ایکس۔۔۔ سمیع۔۔۔ میرے پیچھے پڑا تھا۔ ابھی ابھی اطلاع ملی ہے کہ اسے پولیس پکڑ کے لے گئی ہے۔"

"اور آپ تو اتنی معصوم ہیں کہ اس میں آپ کا ہاتھ ہی نہیں ہوگا۔"

"ہاتھ نہیں، دماغ ہے۔ دماغ۔" مسکراتے ہوئے دستانہ چڑھاتے' اس نے واپس کدال اٹھا لی۔

"میرا اور داتن کا ایک چور دوست ہے آصفل۔ اس نے مجھے ایسی ڈیزائنر جیولری کا بندوبست کر کے دیا جو قتل کے کیس سے تعلق رکھتی تھی اور بیچنے والے نے کوڑیوں کے مول بیچ کے جان چھڑائی تھی۔ سمیع نے وہ ہیرے مجھ سے لیے اور انہیں بیچنے کی کوشش کرتے پکڑا گیا۔ پوچھو کیسے؟"

"ان ہیروں پہ یقیناً laser inscription کی گئی ہوگی جو کہ سرٹیفائیڈ ڈائمنڈز پہ ہوتی ہے۔"

"اوہ... تمہیں کیسے پتہ؟"

" کیونکہ میں کتابیں پڑھتا ہوں۔" اس نے زور سے کدال کی ضرب لگائی۔ بالآخر لوہے کے صندوق کا کنارہ نظر آ رہا تھا۔

"یا اللہ!" وہ دونوں گڑھے میں اترے اور تیزی سے مٹی ہٹانے لگے۔ کیڑے، پودوں کی جڑیں، پتھر اور یہ تاریں۔۔۔ جگہ جگہ سے نکلتی تاریں بہت رکاوٹ ڈال رہی تھیں مگر جلد ہی وہ مٹی کم کرتے گئے، یہاں تک کہ صندوق کی اوپری سطح واضح ہوئی۔ لوہا یوں لگتا تھا جیسے گل گیا ہو۔ زنگ آلود۔۔ بوسیدہ لوہا۔۔۔ جس کے درمیان میں بڑا سا شگاف تھا اور مٹی بھری تھی۔

تالیہ کا ماتھا ٹھنکا۔ یہ شگاف کیوں ہے؟

مگر نہیں۔۔۔ اس نے سارے واہموں کو ذہن سے جھٹکا اور ہتھیلیوں سے مٹی ہٹانے لگی۔۔۔ ان دونوں کی زبانیں ساکت تھیں اور ہاتھ تیز تیز کام کر رہے تھے۔

یہاں تک کہ صندوق کی ساری مٹی انہوں نے باہر نکال دی۔

اور۔۔۔

وہ صندوق خالی تھا۔

خزانہ وہاں نہیں تھا۔

تالیہ کا مٹی سے اٹا چہرہ ساکت ہو گیا۔ ایڈم بھی شل رہ گیا۔

وہ صحن اتنا پکا اور قدیم تھا کہ یوں لگتا تھا، برسوں سے کسی نے ایک اینٹ بھی نہیں ہلائی تھی۔ مجسمہ بھی اپنی جگہ پہ موجود تھا۔ تو پھر

خزانہ کہاں گیا؟

صندوق اتنا مضبوطی سے فٹ کیا گیا تھا کہ خزانہ نکالنے والے نے اس کو ویسے ہی چھوڑ دیا اور صرف اس کے ڈھکن میں شگاف کر کے ساری چیزیں نکال لی تھیں۔ مگر کس نے اور کب؟

''یہ نہیں ہوسکتا۔ چے تالیہ یہ ناممکن ہے!''

اب حالت یہ تھی کہ صحن کے درمیان میں گڑھا کھدا ہوا تھا اور اس کے دہانے پہ وہ دونوں مٹی مٹی ہوئے' پیر لٹکائے بیٹھے تھے۔

''ہمارا خزانہ کہاں گیا ایڈم؟'' وہ سرگوشی میں بولی۔ ششدر نظریں ٹوٹے ہوئے صندوق پہ جمی تھیں۔

''کسی نے ہم سے پہلے خزانہ نکال لیا ہے۔ مگر کس نے؟''

''اب ہمیں حکومت کا انعام نہیں ملے گا۔''

''اور میری شادی کے پیسے بھی اکٹھے نہیں ہو پائیں گے۔''

''یعنی ہم وہیں پہ آ گئے ہیں جہاں سے شروع ہوئے تھے۔ ہمارا خزانہ چوری ہو گیا ہے۔'' وہ کھوئی کھوئی سی بولی۔ ''اور ہم پھر خالی ہاتھ ہیں۔''

وہ دونوں کتنی ہی دیر وہاں بیٹھے رہے۔ شل۔ ماؤف دماغ لیے۔ سب کچھ جیسے ختم ہو گیا تھا۔

''ہم نے کیوں سوچ لیا تھا چے تالیہ کہ چھ سو سال گزرنے کے بعد بھی خزانہ اپنی جگہ پہ موجود ہو گا۔''

وہ ابھی تک بنا پلکیں جھپکے درختوں کو دیکھ رہا تھا۔

''پانچ سو ستاون سال ایڈم۔''

اور ان دونوں میں سے کوئی نہ ہنسا۔ وہ چپ چاپ گم صم سے بیٹھے رہے۔

سن باؤ وانگ لی کا مجسمہ اپنی پتھریلی آنکھوں میں صدیوں پرانے راز چھپائے خاموشی سے دور افق کو دیکھتا رہا۔

صرف وہی جانتا تھا کہ خزانہ کس نے نکالا تھا۔

مگر بنداہارا کی بیٹی نے اس کا پتھریلا چہرہ بناتے وقت اندر زبان تک نہیں رکھی تھی جس کو ہلا کے وہ انہیں حقیقت بتا سکتا۔

اس کی صرف آنکھیں تھیں جن میں سارے راز پتھر ہو چکے تھے۔

☆......☆......☆

سوموار کی صبح کے ایل کے دفتروں میں کام شروع ہو چکے تھے۔ منڈے مارننگ کسی کو پسند نہیں تھی' مگر جمائیاں روکتے' اتوار کے ہنگاموں کو بھلانے کی سعی کرتے ورکرز کام میں لگے تھے۔ پترا ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے اس فلور پہ باریسن نیشنل کا دفتر بھی معمول کی مصروفیات کا

شکار دکھائی دیتا تھا۔

وان فاتح کے آفس کے سامنے بنے چھوٹے سے سٹنگ ایریا میں تالیہ مراد بیٹھی نظر آتی تھی۔ بالوں کا جوڑا بنائے، وہ بھوری اسکرٹ بلاؤز پہ سفید کوٹ پہنے کوئی ایگزیکٹو لگ رہی تھی۔

وہ ابھی ابھی آ کے بیٹھی تھی اور اسے دیکھتے ہی فاتح کا سیکرٹری عثمان فوراً چلا آیا تھا۔

''میم آپ تھوڑا سا انتظار کریں۔ میں فاتح صاحب سے آپ کے اپائنٹمنٹ لیٹر کا پوچھ کے آتا ہوں'' شائستگی سے بولا تو تالیہ نے بے نیازی سے گردن ہلا دی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

عثمان چلا گیا تو اس کا فون بجا۔ اس نے موبائل نکال کے اسکرین روشن کی۔

''میں نے ساری جگہ کھود کے دیکھ لی کہ شاید چیزیں آس پاس مٹی میں گر گئی ہوں۔ مگر نہیں۔ سب غائب ہے۔ میں ابھی ملاکہ میں ہوں۔ زمین برابر کر دی ہے اور اینٹیں جوڑ دی ہیں۔ سیمنٹ سوکھ جائے گی تو صحن پہلے جیسا ہو جائے گا۔ مگر چے تالیہ.... ہمارا خزانہ کہاں گیا؟''

تالیہ کی انگلیاں تیزی سے چلنے لگیں۔

''آج مجھے معلوم ہوا ہے کہ کسی کی جائز کمائی کو یوں لوٹ لیا جائے تو کیسا دکھ ہوتا ہے ایڈم۔ میں ملاکہ سے اسی لیے رات میں ہی واپس چلی آئی تھی کیونکہ اب خزانے کا ذکر میرے لیے تکلیف دہ بن گیا ہے۔ آج سے تالیہ کسی خزانے کا پیچھا نہیں کرے گی۔ اپنی زندگی کا یہ باب میں نے سن باؤ کے صحن میں دفن کر دیا ہے۔''

جس وقت وہ پیغام ٹائپ کر رہی تھی، عثمان اندر کھڑا فائلوں میں الجھے فاتح سے پوچھ رہا تھا۔

''سر وہ چے تالیہ کو کیا کام دینا ہے۔ وہ آ گئی ہیں۔ آپ مجھے بتا دیتے تو میں ان کا اپائنٹمنٹ لیٹر ٹائپ کروا دیتا۔''

فاتح نے عینک اتاری اور فائل پرے رکھی، پھر ٹیک لگا کے اسے دیکھا۔

''ایلش نے اسے میرے پاس بھیجا ہے یہ کہہ کر کہ میں اس کو کوئی اعلیٰ جاب دوں۔''

''او کے سر! تو کون سی جاب ان کو......''

''لیکن یہ ایلش کی غلط فہمی ہے کہ وہ میرے آفس میں آ کے حکم صادر کرے گا اور میں اس کی بات مان لوں گا۔'' سرد لہجے میں کہا گیا اس کا فقرہ عثمان کو ششدر کر گیا۔

''مگر سر آپ نے جاب دینے کا وعدہ کیا تھا۔''

''ہاں اور وعدہ پورا کرنا پڑے گا' اس لیے یوں کرتے ہیں' کسی کو چند دن کی چھٹی دے کر اس کو ہائر کر لیتے ہیں۔ یہ نازک طبع لڑکی ہفتے سے زیادہ نہیں ٹکے گی۔''

''او کے سر' لیکن ڈیپارٹمنٹ ہیڈز میں سے کسی کو بھی چھٹی دی تو وہ برا مان جائیں گے اور۔۔۔''

''میں ایک سوشلائیٹ کو ڈیپارٹمنٹ ہیڈ بناؤں گا عثمان؟ تمہارا دماغ درست ہے؟'' اس نے تنفر سے سر جھٹکا۔

''مگر آپ نے ان کو اعلیٰ ترین عہدہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔''

''غلط۔ میں نے وہ جاب دینے کا کہا تھا جو وہ ڈیزرو کرتی ہے۔ تم یوں کرو' عبداللہ سے کہو' جہاں اس نے گیارہ دن چھٹی کی' وہاں بیس دن مزید ناغہ کر لے۔ یہ لڑکی اول تو اس جاب کو اپنی توہین سمجھ کے لینے سے انکار کر دے گی' اور اگر قبول کر لی تب بھی زیادہ دن یہ مجھے برداشت نہیں کر پائے گی۔ روز کے پندرہ سولہ گھنٹے وان فاتح کے ساتھ رہنا آسان نہیں ہوتا۔ ہو گیا مسئلہ حل' عثمان؟ اب مجھے کام کرنے دو۔''

اس نے سرد انداز میں کہتے ہوئے عینک اٹھائی اور اسے آنکھوں پہ جماتے ہوئے فائل کھول لی۔ آستینیں موڑے' کہنیاں میز پہ جمائے' اب وہ فائل کے مطالعے میں مصروف ہو گیا تھا۔

''عبداللہ کی جگہ جاب؟'' عثمان حق دق رہ گیا۔ ''سر...اشعر صاحب بہت خفا ہوں گے۔''

''یہ تو اور بھی اچھا ہو گا۔'' ساتھ ہی دو انگلیوں سے اسے نکل جانے کا اشارہ کیا۔

عثمان کے کان سنسنا اٹھے۔ ٹائی کی ناٹ کسی' تھوک نگلا اور ہمت جمع کرتے ہوئے وہ دروازے کی طرف بڑھا۔

اب اسے باہر جا کے چے تالیہ کو یہ بتانا تھا کہ اس کے باس نے اسے آفس کا سب سے ادنیٰ ترین عہدہ دیا تھا۔

اسے تالیہ مراد کو بتانا تھا کہ....

آج سے...

وہ وان فاتح بن رامزل کی باڈی وومن ہو گی۔



نمرہ احمد کا یہ خوبصورت ناول **حالم** ابھی جاری ہے۔ بقیہ واقعات اگلی قسط میں پڑھیے۔

تیرھواں باب:

وقت کے تین سوال

اس نے خواب میں دیکھا کہ

سڑک پہ ٹریفک تیز رفتاری سے گزر رہا ہے ...

زیبرا کراسنگ عبور کرتے لوگوں کی دائیں بائیں مڑتی گردنیں....

ڈرائیو کرتے لوگوں کے کانوں سے لگے ہینڈز فری اور ان کے ملتے لب....

سڑک کنارے اخبار کھولے بیٹھے معمر لوگ....

خواب روزِ روشن کی طرح واضح تھا....

ایسے میں وہ سڑک عبور کرتی ہے

اور اندر ایک گلی کی طرف مڑ جاتی ہے۔

پھر تین موڑ مزید مڑتی ہے....

گلی آگے جا کے تنگ ہونے لگتی ہے....

اس کی دیواریں نیلی اینٹوں کی بنی ہیں....

وہ قدم بڑھاتے ہوئے اینٹوں پہ ہاتھ پھیر رہی ہے....

کہیں ٹوٹا کانچ اس کے پوروں سے ٹکراتا ہے....

کہیں کوڑے دان کے کھلے دہانے کے اندر ٹوٹا ہوا گملا رکھا نظر آتا ہے....

اس گملے میں تین فیروزی پھول کھلے ہیں....

وہاں قطار میں دروازے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے مکانوں کے....

وہ حساب سے ایک کے سامنے رکتی ہے....

اور دستک دینے کو ہاتھ بڑھاتی ہے...

تو دروازہ خود بخود کھلتا چلا جاتا ہے...

وہ اندر قدم رکھتی ہے... نیم تاریک راہداری میں آگے چلتی جاتی ہے...

جب عقب سے مردانہ آواز آتی ہے....

''شہزادی تاشہ!''

وہ چونک کے گھومتی ہے....

اور یہاں خواب ٹوٹنے سے پہلے اسے دھندلا سا ایک وجود نظر آتا ہے....

بھورے لمبے بالوں والا مرد جس کی دھندلی پڑتی آنکھیں نگینوں کی طرح چمک رہی ہیں....

☆......☆......☆

چند لمحے کے لئے قدیم ملاکہ اس شام میں واپس جاتے ہیں جب مراد راجہ کے سامنے بیٹھے غلام فاتح نے وہ بے رنگ' بے ذائقہ مشروب پی کے چابی کی زنجیر کو گردن میں ڈال لیا تھا۔

دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور ان کے درمیان میز کے ساتھ ساتھ خاموشی بھی حائل تھی۔ پھر فاتح نے کھنکھارتے ہوئے اس خاموشی کو توڑا۔

''دروازہ کھولنے کے کتنی دیر بعد چابی ٹوٹے گی؟''

''دروازہ کھلتے ہی یہ ہر گزرتے پل بھاری ہوتی جائے گی' یہاں تک کہ تم اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکو گے۔ اور آخر کار تم اس کو گردن سے نوچ پھینکو گے۔''

''قریباً کتنی دیر بعد؟'' اس نے دہرایا۔ ''کتنا وقت ہوگا میرے پاس؟''

''قریباً ایک پوری رات۔ اس سے زیادہ نہیں۔ کیوں؟ تم اس ایک رات میں کیا کرنا چاہتے ہو؟'' مراد نے غور سے اسے دیکھا۔

''ایک رات تو بہت طویل عرصہ ہے راجہ۔ یہاں تو ایک لمحے میں دنیا بدل جاتی ہے۔ زمانہ پلٹ جاتا ہے۔ میں نے کہا نا' تم مجھے نہیں جانتے۔'' اور کرسی دھکیل کے وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے تاثرات پتھر جیسے ہو رہے تھے۔ ''اور مجھے معلوم ہے کہ میں یہ کیوں کر رہا ہوں۔''

''کیوں کر رہے ہو؟'' مراد راجہ نے گردن اٹھا کے استہزاء سے اسے دیکھا۔

''کیونکہ میں جانتا ہوں کہ ہر جادو کا توڑ ہوتا ہے۔ یادداشت کا کھو دینا مستقل نہیں ہوگا۔ اس کا کوئی حل بھی ہوگا۔''

مراد راجہ لمحے بھر کو گنگ رہ گیا۔ گردن میں تھوک نگلنے سے گلٹی سی ابھر کے معدوم ہوئی۔

''تمہاری یادداشت واپس نہیں آئے گی' غلام فاتح۔''

فاتح جواباً طنز سے مسکرایا۔

”غلط۔تالیہ کی یادداشت ٹکڑوں کی صورت میں واپس آئی تھی۔اسے قدیم ملاکہ میں اپنے بچپن کے کچھ حصے یاد ہیں۔ مجھے بھی قدیم ملاکہ میں گزرے یہ چار ماہ یاد آ جائیں گے مگر سوال یہ ہے کہ کیسے؟“

مراد کے ماتھے پہ بل پڑے۔

”تم سمجھتے ہو کہ یہ آسان ہے؟“

”وان فاتح نے زندگی میں آسان کام کبھی نہیں کیے کیونکہ وہ سب کر لیتے ہیں۔تم مجھے بتاؤ‘ وہ کیا مشکل کام ہے جسے میں کروں تو میری یادداشت واپس آ جائے گی؟“

راجہ چند لمحے لب بھینچے اسے گھورتا رہا۔”میں تمہیں کبھی نہیں بتاؤں گا۔“

”تمہارے بارے میں تاریخ کی کتابوں میں ایک حکایت پڑھی تھی میں نے۔“ فاتح نے ہتھیلیاں میز پہ رکھیں اور جھک کے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔”ایک لڑائی کے دوران تمہارے مدِ مقابل شخص کا تلوار والا ہاتھ کٹ گیا۔ہاتھ بھی گیا اور تلوار بھی۔تو تم نے اپنی تلوار پھینک دی اور اپنا ایک ہاتھ کمر کے پیچھے کر کے نہتے وہ لڑائی لڑی اور اسے مار گرایا۔ یہ غیرت مند مردوں کا طریقہ ہوتا ہے‘ راجہ۔ وہ مقابلے برابری کی سطح پہ کرتے ہیں۔ مجھے نہتا کر کے ہرانے میں کیا مزا ہے؟“ وہ غور سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔”یا شاید تمہیں ڈر ہے کہ میں کامیاب ہو جاؤں گا؟“

”تم کچھ بھی کر لو۔میری بیٹی میرے پاس واپس ضرور آئے گی۔“

وہ تیزی سے بولا‘ پھر خاموش ہو گیا۔

”تم کہہ کے تو دیکھو۔“

مراد راجہ چند لمحے اس کی آنکھوں کی ہٹ دھرمی دیکھتا رہا‘ پھر گہری سانس بھری۔

”ہم شکار باز صدیوں سے چلے آ رہے ہیں۔ہم زمانوں کے مسافر ہیں۔وقت میں سفر کرتے ہیں۔ ہر زمانے میں شکار بازوں کا ایک راہبر ہوتا ہے۔ان کا سربراہ۔تمہاری یادیں اگر کوئی لوٹا سکتا ہے تو وہ وہی ہے۔“

”اور وہ کون ہے؟“

”وہی جو تمہارے سامنے بیٹھا ہے‘ اور وہ تمہیں کبھی تمہاری یادیں نہیں لوٹائے گا۔“ وہ ٹھنڈے سے تنفر سے بولا۔”لیکن شاید تمہاری دنیا کا شکار باز تم پہ رحم کھا لے۔“

”ہماری دنیا کا شکار باز!“ وہ چونکا۔کندھے ڈھیلے پڑ گئے۔آہستہ سے سیدھا ہوا۔”تو شکار باز ختم نہیں ہوں گے۔ وہ نسل در نسل

اپنے علم کو منتقل کرتے جائیں گے اور ہر زمانے میں موجود رہیں گے۔''

''ہم زمانے کے مسافر ہیں۔ ہم کبھی ختم نہیں ہوں گے۔'' وہ تفاخر سے مسکرایا۔ ''تمہارے پاس ایک رات ہو گی' وان فاتح۔ تمہیں اپنی دنیا کے شکار باز راہبر سے ملنا ہو گا۔ وہ تم سے تین سوال پوچھے گا۔ اگر تم ان کا جواب دے سکو' تو تمہارے لئے امید نکل سکتی ہے۔''

''کیسے سوال؟''

مراد راجہ نے لباس شانوں سے جھٹکا اور اٹھ کھڑا ہوا۔ ہاتھ کمر پہ باندھ لئے۔ ''معلوم نہیں۔ ہر زمانے کے اصول اور سوال مختلف ہوتے ہیں۔ وقت کا چکر مکمل ہونے پہ جب بھی چابی تحلیل ہوتی ہے' وہ شکار باز راہبر کے پاس چلی جاتی ہے۔ تالیہ جب بچپن میں تمہاری دنیا میں گئی تھی تو وقت کا چکر مکمل نہیں ہوا تھا اس لئے وہ چابی ٹوٹ گئی اور کئی برس تحلیل نہ ہوئی۔ تم نے میری دنیا میں آتے وقت دروازہ کھول ڈالا جس سے چابی تحلیل ہوتے ہی میرے پاس تو آ گئی لیکن وہ ناکارہ ہو چکی تھی کیونکہ تم نے وقت کا چکر خراب کر دیا ہے۔''

وہ سانس لینے کو رکا۔ فاتح غور سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

''اب جو چابی میں تمہیں دے رہا ہوں یہ تحلیل ہوتے ہی تمہارے زمانے کے شکار باز کے پاس چلی جائے گی۔ اس چابی میں تمہاری یادیں قید ہوں گی۔ اگر تم اس راہبر کو ڈھونڈنا چاہتے ہو تو تمہیں چابی اس کا رستہ خود دکھائے گی۔ اب میں نے تمہیں سب بتا دیا ہے۔ اب ہم اس مقابلے میں برابر ہیں۔ اب تمہاری یادداشت واپس آئے یا نہ آئے' میری بیٹی واپس ضرور آئے گی۔''

''دیکھتے ہیں۔'' وہ سرد لہجے میں بولا تھا۔

☆......☆......☆

سولہ جولائی کی رات تالیہ اور ایڈم کے ایل کے لیے نکل پڑے تو وہ پولیس اسٹیشن چلا آیا۔ اپنا بیان ریکارڈ کروایا مگر یہاں سے وہ گھر نہیں گیا۔ اس نے گردن میں پڑی چابی کو ہاتھ میں اٹھا کے دیکھا۔

''مجھے اپنے وقت کے شکار باز سے ملنا ہے۔ مجھے اس کے پاس لے چلو۔''

چابی سے سنہری سا پنکھ نکلا اور فضا میں اڑنے لگا۔ فاتح نے گاڑی وہیں چھوڑی اور اس سنہری پنکھ کے پیچھے قدم بہ قدم چلنے لگا۔ اس پنکھ کو اس کے سوا کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ ہوا میں تیرتا پر صرف فاتح کو راستہ دکھانے کے لیے تھا۔

وہ کتنی ہی دیر ویران سڑکوں پہ چلتا رہا۔ چابی ہر گزرتے پل کے ساتھ بھاری ہوتی جا رہی تھی مگر وہ اس وزن کو برداشت کیے ہوئے تھا. پنکھ اڑتا چلا جا رہا تھا۔

ملاکہ کے ایک گنجان آباد علاقے میں وہ اس کو کھینچ لایا۔ وہاں قطار میں ایک منزلہ گھر بنے تھے جن کی مخروطی چھتیں تھیں اور دیواریں سرمئی نیلی اینٹوں کی بنی لگتی تھیں۔ وہ درمیانے درجے کا علاقہ لگتا تھا۔ اور رات کے اس وقت سنسان پڑا تھا۔

پنکھ ایک دروازے کے ڈورمیٹ پہ جا گرا اور ہوا میں تحلیل ہو گیا۔ منزل آ چکی تھی۔

وان فاتح نے ہتھیلی سے دستک دی۔ پھر گھنٹی بجائی۔

دفعتاً قدموں کی چاپ سنائی دی اور پھر کسی نے دروازے کے پیچھے سے سوال کیا۔ ''کون؟''

''وقت کا مسافر ہوں اور اپنی یادیں واپس مانگنے آیا ہوں۔''

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔ پھر آہستہ سے دروازہ کھلا۔ وان فاتح نے چہرہ اٹھایا تو اپنے سامنے چوکھٹ پہ ایک ادھیڑ عمر آدمی کو کھڑے پایا۔ اس نے کرتے پاجامے کے اوپر ناف کے گرد کپڑا باندھ رکھا تھا اور سر پہ جناح کیپ جیسی ٹوپی تھی۔ تھوڑی پہ ذرہ ذرہ سی داڑھی بھی تھی۔ آنکھیں چندھیا کے فاتح کو دیکھا اور مسکرایا۔

''خوش آمدید۔'' پھر راستہ چھوڑ دیا۔

اس نے جوتے چوکھٹ پہ اتارے اور اندر داخل ہوا۔ وہ آدمی آگے بڑھتا گیا۔ صاف ستھری چھوٹی سی راہداری عبور کر کے ایک دیوان خانے میں اسے لے آیا جہاں فرشی نشست بچھی تھی۔ دیوار پہ شیلف بنے تھے جن کے خانوں میں کانچ کی بہت سی بوتلیں رکھی تھیں۔ اگربتی اور خوشبودار موم بتیوں نے فضا کو معطر کر رکھا تھا۔

وہ دونوں آمنے سامنے چٹائی پہ دوزانو ہو کے بیٹھ گئے تو اس آدمی نے غور سے فاتح کو دیکھا۔

''وقت کے مسافر ہو؟''

''اپنی خوشی سے نہیں گیا تھا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔ ''غلطی سے دروازہ پار کیا تھا۔ صبح اس چابی کے تحلیل ہوتے ہی قدیم ملاکہ میں گزرے پل بھول جاؤں گا۔''

''یاد رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟'' وہ نرمی سے مسکرایا۔

''میں فرار ہونے والوں میں سے نہیں ہوں۔ جو کیا ہے' اس کو یاد رکھ کے اس کا سامنا کرنے والوں میں سے ہوں۔ مجھے بتایئے' میں کیا کروں جو اس جادو کا توڑ ہو سکے اور صبح میری یادداشت نہ کھوئے۔''

اس آدمی کی چھوٹی چھوٹی آنکھیں فاتح کی گردن میں پڑی زنجیر پہ جمی تھیں۔

''یادداشت تو کھو جائے گی لیکن ایک صورت ہے اس کے واپس آنے کی۔''

''بتایئے۔'' وہ تحمل سے بولا۔ گردن میں پڑی زنجیر بھاری ہو رہی تھی۔

''اگر تم وقت کے تین سوالوں کا جواب پا لو تو تمہاری یادیں وقت تمہیں خود لوٹا دے گا۔''

''پوچھیے۔ وہ تین سوال کیا ہیں۔''

شکار باز کی نظریں زنجیر سے اٹھ کے اس کے چہرے تک جا رکیں۔

"تو پھر بتاؤ۔کوئی کام شروع کرنے کے لئے سب سے اہم وقت کون سا ہوتا ہے؟ انسان کی زندگی کا سب سے اہم کام کون سا ہوتا ہے؟ اور انسان کی زندگی میں سب سے اہم شخص کون ہونا چاہیے؟"

چند ثانیے کے لئے اس دیوان خانے میں خاموشی چھا گئی۔وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔دونوں نے پلک تک نہ جھپکی۔

"اور اگر میں کہوں کہ مجھے ان تینوں سوالوں کے جواب معلوم ہیں تو؟"

"تو میں یہ کہوں گا کہ اکثر کو ہوتے ہیں' لیکن ان کا جواب 'دینا' کافی نہیں ہے۔تمہیں ان کا جواب "پانا" پڑے گا۔کل جب تمہاری یادداشت کھو جائے گی تو تمہارا امتحان شروع ہو گا۔جس دن تم ان جوابات کا دل کے اطمینان سے اقرار کر لو گے تو وقت تمہیں تمہاری یادداشت لوٹا دے گا۔لیکن ایک شرط ہے۔"

"کہیے۔" وہ بدقت بولا۔چابی بھاری ہو رہی تھی۔شاید وہ دہکنے بھی لگی تھی کیونکہ اسے گردن پہ گرمائش محسوس ہو رہی تھی۔

"تم کسی سے بالواسطہ مدد نہیں مانگ سکتے۔تم اپنے لئے کوئی تحریر یا اشارہ چھوڑ کے نہیں جا سکتے۔تم اس امتحان میں نقل کر کے کامیاب نہیں ہو سکتے۔تم ان سوالوں کے بارے میں کسی کو بالواسطہ کچھ نہیں بتا سکتے ورنہ تم کامیاب نہیں ہو گے۔تمہیں ان کا جواب فطری طریقے سے خود حاصل کرنا ہو گا۔"

"اگر کوئی اپنے طور پہ میری مدد کرنا چاہے تو؟"

"تم ان تین سوالوں کے بارے میں کسی کو بتا تو سکتے ہو لیکن ان سے مدد نہیں مانگ سکتے۔اس کے علاوہ جو کہو' اس کے لئے تم آزاد ہو۔کوئی خود سے تمہارے مدد کرے' وہ اس کے لئے آزاد ہے۔"

ادھیڑ عمر آدمی دھیرے دھیرے کہہ رہا تھا۔

"یہ سوال تم سے کل کے بعد اگر کوئی زبانی کلامی پوچھ بھی لے تو بھی ان کا جواب 'دینا' درکار نہیں۔تمہیں اپنے عمل سے ان کا جواب خود کو دینا ہو گا جس دن تمہاری زندگی میں یہ جوابات شامل ہو جائیں گے' تمہاری یادیں میں تمہیں لوٹا دوں گا۔"

رات پگھلتی جا رہی تھی اور شکار باز کی آواز دھیمی ہوتی جا رہی تھی۔وہ بڑھتے ہوئے بوجھ کے ساتھ سن رہا تھا۔

"یعنی میں اسے نہیں چھوڑ سکتا۔"

"شہزادی تاشہ کو؟ ہرگز نہیں۔اگر تم نے اسے چھوڑ دیا تو آخری سوال کا جواب کیسے ڈھونڈ پاؤ گے۔"

"آپ اس کو جانتے ہیں؟" فاتح نے ابرو اٹھائی۔پراسرار آدمی مسکرایا اور شیلف کی طرف اشارہ کیا جہاں کانچ کی ننھی صراحیاں رکھی تھیں۔

''ان میں سے تیسرے نمبر والی میں تالیہ کی یادداشتیں ہیں۔اس کو ایک سوال کا جواب مل گیا تھا اس لیے کچھ یادیں واپس چلی گئیں۔تم دیکھ سکتے ہو کہ یہ بھری ہوئی نہیں ہے۔اور وہ جو خالی صراحی ہے وہ تمہاری ہے۔صبح یہ بھر جائے گی۔''

فاتح نے کنپٹی کو چھوا۔چابی کا وزن بڑھتا جا رہا تھا۔

''اگر اسے میرے ساتھ رہنا ہے تو اسے ایک بات کا علم ہونا ضروری ہے۔'' فاتح نے قریبی میز پہ دھرا قلم کاغذ اٹھایا اور صفحے پہ چند ہندسے گھسیٹے۔

''وہ میرے قدموں کے نشانات کا پیچھا کرتے یہاں ضرور آئے گی۔جب وہ آئے تو اس کو یہ ہندسے دے دیجئے گا۔'' صفحہ پھاڑ کے اس کی طرف بڑھایا۔شکار باز نے اس کاغذ کو تہہ کیا اور جیب میں رکھا۔

''درست وقت اور درست جگہ پہ میں اسے یہ پہنچا دوں گا۔اب تمہیں جانا چاہیے۔''

وان فاتح نے کلائی پہ بندھی گھڑی دیکھی اور اٹھ کھڑا ہوا۔''مجھے واقعی جانا چاہیے۔ایک ادھوری ای میل کو مکمل کرنا ہے مجھے۔''

واپسی کا راستہ طویل تھا مگر جلدی کٹ گیا۔جیب میں کچھ سکے تھے جن سے اس نے رک کے ایک فون بوتھ سے عثمان کو کال کی اور ایک رقم ایڈم کے اکاؤنٹ میں ڈلوانے کو کہا۔ساتھ ہی اپنے لیے نئے موبائل کا بندوبست کرنے کا حکم دیا۔

واپس گھر آ کے اس نے ای میل کی آخری سطور مٹائیں اور اسے دوبارہ سے لکھا۔پھر ایڈم کو ایک ای میل الگ سے لکھی۔وہ چاہتا تھا کہ تالیہ کو ان پیسوں سے ایڈم چاکلیٹس اور کوکو پھل بھیجا کرے۔

وہ سب کچھ بھول بھی جائے تو بھی تالیہ نہ بھولے کہ وہ دونوں ابھی تک مکمل طور پہ وقت کی غلامی سے آزاد نہیں ہوئے تھے۔

☆......☆......☆

واپس حالیہ دن میں آتے ہیں۔

وان فاتح کے آفس کے باہر سیکرٹری کا کیبن تھا۔اس کے آگے چھوٹا سا لاؤنج بنا تھا۔لاؤنج کے صوفے پہ براجمان تالیہ اس کیبن کے ساتھ کھڑے سرگوشیوں میں بات کرتے عثمان (سیکرٹری) اور عبداللہ (باڈی مین) کو صاف دیکھ سکتی تھی۔

عثمان اب دونوں ہاتھ اٹھا کے تسلی دینے والے انداز میں اسے کچھ سمجھا رہا تھا۔عبداللہ کا چہرہ بجھ گیا۔سر اثبات میں ہلایا۔شکوہ کناں انداز میں تالیہ کی طرف دیکھ کے کچھ کہہ بھی ڈالا۔عثمان اس کے کندھے کو تھپکتا مڑا' ٹائی کی ناٹ درست کی اور چہرے پہ مسکراہٹ سجائے تالیہ کی طرف آیا۔

''چے تالیہ۔'' خوش آمدی انداز میں کہتا اس کے قریب صوفے پہ بیٹھا۔

وہ ٹانگ پہ ٹانگ جمائے بیٹھی ناقدانہ انداز میں اسے دیکھے گئی۔

''کیا مجھے جاب دینے سے انکار کر دیا ہے فاتح صاحب نے؟''

''نہیں نہیں....اصل میں...ابھی کوئی ویکنسی خالی نہیں تھی لیکن عبداللہ کچھ دن سے چھٹی مانگ رہا تھا تو کیوں نا کچھ دن آپ عبداللہ کی جگہ پہ کام کر لیں۔''

تالیہ نے ٹانگ دوسری ٹانگ سے ہٹائی اور سیدھی ہوئی۔تاثرات بدلے۔''باڈی وومن کی جاب؟''

''بس کچھ دن کے لئے....عبداللہ جیسے ہی واپس...''

''عبداللہ ابھی تو چھٹی سے واپس آیا تھا۔غالباً آپ اس کو چند دن کے لئے چھٹی پہ بھیج رہے ہیں کیونکہ باس کو لگتا ہے کہ (بند دروازے کو دیکھا) چے تالیہ چند دن سے زیادہ نہیں ٹکے گی۔''

''ہرگز نہیں، میم....''عثمان شرمندہ ہوا۔تالیہ نے ماتھے پہ بل ڈالے ہنکارا ابھرا۔

''خیر...آپ باس کو جا کے بتائیں کہ تالیہ مراد کو یہ جاب منظور ہے۔کب سے کام شروع کروں؟''ایک دم طنزاً مسکرا کے بولی۔

عثمان کو شاید توقع نہ تھی۔لمحے بھر کو چپ ہو گیا۔پھر مسکراہٹ لبوں پہ واپس لے آیا۔

''کل سے۔آج آپ پورا دن خود کو ذہنی طور پہ تیار کر لیں۔''

وہ اٹھنے لگا تو وہ بولی۔''ویسے مجھے کیا کرنا ہو گا؟ کیا وان فاتح کی حفاظت کرنی ہو گی؟''

''وہ تو باڈی گارڈز کا کام ہے۔''عثمان جھینپ کے ہنسا۔''یہ باڈی وومن کی جاب ہے۔ہر سیاستدان کے ساتھ ایک سیکرٹری اور چند گارڈز ہوتے ہی ہیں، مگر ایک پرسنل ایڈ بھی ہوتا ہے جو باڈی مین کہلاتا ہے۔وہ بالکل بھی باڈی گارڈ جیسا نہیں ہوتا۔''

''اور اس کا کام کیا ہوتا ہے؟''وہ گردن اٹھا کے سامنے کھڑے عثمان کو دیکھ کے پوچھ رہی تھی۔

''باس کے کھانے پینے اور کپڑوں کا خیال رکھنا۔چیزیں پکڑانا، کوٹ پہ داغ لگا ہے تو اسے صاف کرنا۔ان کی صحت کا خیال رکھنا۔کام کی زیادتی باس کو اپنا آپ بھلا دیتی ہے تو آپ ان کو انرجی بارز اور کافی لا کے دیتی رہیں گی۔وہ کار سے نکلیں تو ان کے ہاتھ سے خالی کپ لے لینا وغیرہ وغیرہ۔''

''پندرہویں صدی کے ملاکہ میں یہ کام غلام لوگ کیا کرتے تھے۔وان فاتح مجھے غلام بنانا چاہتے ہیں؟''وہ اداسی سے مسکرائی۔

''نہیں چے تالیہ۔یہ جاب بہت قابل بھروسہ لوگوں کو دی جاتی ہے۔''

عثمان کے جانے کے بعد وہ اٹھی اور کرسی پہ خاموش بیٹھے عبداللہ کی طرف آئی۔

''میں امید کرتی ہوں آپ کو مجھ پہ غصہ نہیں آ رہا ہو گا۔کیونکہ ایسے لگ رہا ہے جیسے میں نے آپ کی جاب لے لی۔''وہ معذرت خواہانہ انداز میں بولی تو وہ جلدی سے کھڑا ہوا۔

''ہرگز نہیں، چے تالیہ۔ مجھے شرمندہ مت کریں۔'' وہ جھینپ گیا۔

''میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ آپ کو آپ کی جاب واپس مل جائے گی۔ آپ میری طرف سے دل برا مت کیجئے گا۔''

''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ باس کبھی بھی مجھے یوں ضائع نہیں کریں گے، میں جانتا ہوں۔ وہ مجھے کہیں اور ایڈجسٹ کر دیں گے۔'' وہ خوش دلی سے مسکرا کے بولا تو تالیہ نے بند دروازے کو دیکھا۔

''عبداللہ!'' آواز دھیمی کی۔ ''کیا آپ مجھے میری جاب ڈسکرپشن لکھ کے دے سکتے ہیں؟''

''جے ڈی؟'' عبداللہ نے سوالیہ ابرو اٹھایا۔ تالیہ نے اثبات میں سر ہلایا۔

''فاتح صاحب کو آپ سے بہتر کون جانتا ہوگا۔ اگر آپ مجھے تھوڑا گائیڈ کر دیں کہ میری جاب کے اندر کیا کیا شامل ہے تو میرا کام آسان ہو جائے گا۔''

''آف کورس، چے تالیہ۔ میں ابھی لکھ دیتا ہوں۔ آپ نہ کہتیں، تب بھی میں پورا چارٹ بنا کے جاتا، تاکہ باس کو پیچھے سے مشکل نہ ہو۔'' اس نے فوراً جیب سے چھوٹی ڈائری نکالی اور قلم کھولا۔ پھر کرسی پہ بیٹھا اور جلدی جلدی کاغذ پہ الفاظ گھسیٹنے لگا۔ ساتھ ہی اسے سمجھاتا بھی جا رہا تھا۔ وہ وہیں کھڑے کھڑے سنے گئی۔

باڈی مین کو آفس تک نہ ملتا تھا۔ صرف ایک کرسی ملتی تھی۔ ہونہہ۔

''کیا پڑھ رہی ہو؟'' دوپہر میں وہ اپنے گھر کے برآمدے کے زینوں پہ بیٹھی عبداللہ کے دیے کاغذات کو پڑھ رہی تھی جب داتن ساتھ آ کے بیٹھی۔ تالیہ چونکی، پھر کاغذ اس کی طرف بڑھا دیے۔

''مجھے وان فاتح نے پرسنل ایڈ کی جاب دے دی ہے۔ یہ میری جے ڈی (جاب ڈسکرپشن) ہے۔''

اب وہ سامنے گھاس پہ پھیلی ٹھنڈی دھوپ کو دیکھ رہی تھی۔ داتن نے عینک ناک پہ جمائی اور کاغذات کو الٹ پلٹ کے دیکھا۔

''یہ اس کے آفس کی ادنیٰ ترین جاب ہے۔''

''جانتی ہوں۔''

''جانتی ہو تو قبول کیوں کی؟'' وہ خفا ہوئی۔

''مجھے خزانے سے بہت امید تھی، داتن، مگر خزانہ وہاں نہیں تھا۔ خزانہ کھو چکا ہے۔ اپنا لوٹا ہوا مال میں واپس کر چکی ہوں۔ چند زیورات کے سوا میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ میں وان فاتح کے قریب رہنا چاہتی ہوں۔ ایسے ہے تو ایسے سہی۔''

''کیا ان کو معلوم ہے کہ تم ہی حالم ہو۔''

تالیہ چونکی۔ ''حالم!'' اسے یاد آیا۔ ''نہیں مگر انہوں نے حالم کو ایک کام کہا تھا۔ داتن، تم ایک کام کرو۔ تم ملاکہ جاؤ اور معلوم کرو کہ

سولہ اور سترہ جولائی کی درمیانی شب وان فاتح کے ساتھ وہاں کیا ہوا تھا۔ان کو کچھ چوٹیں آئی ہیں اور وہ یاد نہیں کر پا رہے کہ ان کے ساتھ یہ کیسے ہوا۔''

''تم خود یہ کیوں نہیں معلوم کر سکتیں؟''

''کیونکہ میں جانتی ہوں ان کے ساتھ کیا ہوا تھا لیکن جو میں جانتی ہوں وہ ان کی عقل سے اوپر ہے۔تم ایک عام انسان کے طور پہ جو بھی معلوم کرو گی وہ ان کی عقل میں آ جائے گا۔'' مگر داتن کی تسلی نہیں ہوئی تھی۔

''اگر تمہیں سب معلوم ہے تو ان کو آسان الفاظ میں بتا کیوں نہیں دیتی؟''

تالیہ اسے دیکھ کے رہ گئی۔

''وہ یقین نہیں کریں گے۔کوئی یقین نہیں کرے گا۔''

''تو پھر میرے جانے کا فائدہ؟''

''جو کام انہوں نے سونپا ہے اور جس کے پیسے وہ دیں گے' اس کو ایمانداری سے کرنے کے لئے تمہیں وہاں جا کے اس رات کو ٹریس کرنا ہو گا۔''

''اور اس رات ہوا کیا تھا؟'' داتن غور سے اسے دیکھ رہی تھی۔''اس رات کے بعد سے تم بدلی بدلی سی ہو' تالیہ۔''

''میرے ساتھ کیا ہوا تھا' اس کو جانے دو۔لیکن ان کے ساتھ جو بھی ہوا تھا وہ کسی سی سی ٹی وی فوٹیج پہ نہیں ملے گا۔زیادا سے زیادہ تمہیں یہی معلوم ہو گا کہ وہ ایڈم کے ساتھ سوا گیارہ کے قریب گھر میں داخل ہوئے اور پھر ساڑھے گیارہ بجے ایڈم اور میرے جانے کے بعد وہ وہاں سے نہیں نکلے۔یہ بات ثبوتوں کے ساتھ میں ان کو سمجھا دوں گی تو وہ اس رات کا پیچھا چھوڑ دیں گے۔''

وہ داتن کے ہاتھ سے کاغذات لیتی اٹھی۔''اب میں اپنی نئی جاب کی تیاری کر لوں۔''

''او لڑکی..تم کیسے ایک سیاسی پارٹی میں کام کرو گی؟ تم آخر اپنے اصل سے اتنا دور کیسے بھاگ سکتی ہو؟''

تالیہ جو برآمدے میں آگے چلتی جا رہی تھی' رکی اور مسکرا کے داتن کو دیکھا۔

داتن زینوں پہ یوں بیٹھی تھی کہ اس کے عقب سے دھوپ آ رہی تھی۔تالیہ کی آنکھیں چندھیا گئیں اور اس نے ماتھے پہ ہاتھ کا چھجا بنا لیا۔

''وہ کون ہوتا ہے جو دوسرے کے لالچ کو اس کے خلاف استعمال کر کے....اسے سنہرے مستقبل کا جھانسا دے کر لوٹتا ہے اور پھر یوں آنکھیں پھیرتا ہے کہ اس کا شکار ہاتھ ملتا رہ جاتا ہے اور کچھ کر بھی نہیں سکتا کیونکہ شکار کو لگتا ہے کہ یہ اس کا اپنا آئیڈیا ہی تھا۔کون ہوتا ہے وہ بھلا؟''

''ایک اسکامر۔''

''ہاں اور سیاستدان بھی۔''

آنکھیں چندھیا کے تاریک نظر آتی داتن کو دیکھ کے وہ کہہ رہی تھی۔

''ہر الیکشن کے بعد عوام ہاتھ ملتے ہیں' افسوس کرتے ہیں کہ ہم نے ان کو ووٹ کیوں دیا۔ یہ تو ہمیں لوٹ کے چلے گئے' مگر یہی تو سیاستدانوں کا اسکام ہے۔ وہ لوگوں کو یہ یقین دلاتے ہیں کہ ان کو ووٹ دینا عوام کا اپنا آئیڈیا تھا۔ غلط' داتن پدوکا۔ غلط۔ الیکشن ایک لمبا اسکام ہوتا ہے۔ ایک خوبصورت con game۔ عوام ووٹ نہیں دیتی۔ سیاستدان عوام کے خوابوں کو ان کا لالچ بنا کے استعمال کرتا ہے' وہ اتنے دلفریب وعدے کرتا ہے کہ عوام مجبور ہو جاتی ہے۔ عوام سے ووٹ لیا جاتا ہے۔ اور رہی میں.. تو میں اس دفتر میں اس لئے کام کر سکتی ہوں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ اسکام کیسے کھیلے جاتے ہیں۔ اور ان کا توڑ کیا ہوتا ہے۔''

☆......☆......☆

''وان فاتح کے اتنا قریب کام کرنے کے بعد یاد رکھنا کہ چیزیں پیچیدہ ہو جائیں گی۔''

''تالیہ کی ہمت اب کوئی پیچیدگی نہیں توڑ سکتی۔'' پھر لبوں تک دو انگلیاں لے جا کر ان کو پھونک مار کے ہوا کے حوالے کیا اور مسکرا کے ہاتھ ہلاتی اندر چلی گئی۔

''تالیہ کو کیا ہو گیا ہے!'' داتن پدوکا کی پریشانیوں میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ یہ اتنی نڈر اور بے خوف تو کبھی نہیں تھی۔ آخر اس رات کیا ہوا تھا؟

☆......☆......☆

جدید ملاکہ کے خوبصورت شہر پہ بارش ساری دوپہر دل کھول کے برسی اور پھر تھمی تو شام اترنے لگی۔ سن باؤ کے گھر کا صحن گیلا تھا اور مجسمے کے قریب ایڈم زمین پہ بیٹھا' دستانے چڑھائے اینٹوں کو جوڑ رہا تھا۔ کانوں میں ہینڈز فری لگا رکھا تھا۔

''جی چے تالیہ صبح تک سارا صحن برابر کر دیا تھا میں نے مگر کیاری والا حصہ بارش نے پھر سے خراب کر دیا۔ جی.....جی اب دوبارہ اسے جوڑ رہا ہوں۔'' وہ مسکراتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ جینز کے گھٹنے کیچڑ آلود تھے اور دستانے گارے میں لتھڑے تھے۔ سر پہ ٹوپی تھی اور چہرے پہ مسکراہٹ۔

''آپ بتائیں آپ کی جاب کا پہلا دن کیسا رہا؟''

دوسری طرف سے جلا بھنا جواب موصول ہوا۔

''باڈی وومن بنا دیا مجھے اس غلام نے جس کی ایک زمانے میں میں نے بھری منڈی میں بولی لگائی تھی۔'' شہزادی تاشہ نے ساتھ میں ''ہونہہ'' بھی کیا تھا۔

''باڈی وومن؟'' اینٹ اٹھاتے ہوئے ایڈم ہنس دیا۔ ''یعنی کہ پرسنل ایڈ؟ اوہ چے تالیہ۔ مجھے آپ سے ہمدردی ہے۔ شہزادی کو غلام کی چاکری کرنی پڑے گی۔'' وہ ہنستا جا رہا تھا۔ ساتھ ہی دونوں ہاتھوں سے اینٹ رکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ گارا زیادہ ڈال دیا تھا' اینٹ برابر نہیں بیٹھ رہی تھی۔

''خود جاب لیس ہو اور مجھ پہ ہنس رہے ہو۔ ارے تمہیں تو کوئی باڈی مین تک نہیں رکھتا۔ ایک میں تھی جس نے شاہی مورخ بنا دیا تھا۔''

ایڈم رکا اور دائیں ہاتھ سے دستانہ اتار کے اسے الٹ پلٹ کے دیکھا۔ ''اور یہ معجزہ ہی ہے کہ آپ کی غلامی کے بعد بھی یہ ہاتھ سلامت ہے۔''

''اگر ہاتھ سلامت ہے تو ایک جاب ہے تمہارے لئے۔''

''حکم کیجئے' شہزادی۔'' اینٹ کو زور سے دبایا۔ وہ اندر فٹ بیٹھ ہی نہیں رہی تھی۔ کچھ تھا جو غلط تھا۔

''قدیم ملاکہ میں تم شاہی مورخ تھے۔ تمام حالاتِ حاضرہ کو قلم کرتے تھے۔ جانتے ہو ایسے شخص کو جدید زمانے میں کیا کہا جاتا ہے؟''

''کیا' چے تالیہ؟'' جھنجھلا کے اینٹ نکالی اور کیاری کے شگاف کو دیکھا۔ برابر سطح میں ایک اسی اینٹ کا خانہ خالی تھا۔ اس نے مٹھی سے مزید اینٹ نکالی۔

''رپورٹر!''

''رپورٹر؟'' ایڈم حیران ہوا۔ ساتھ ہی مٹھیوں سے مٹی بھی نکالے جا رہا تھا۔

''ہاں ایڈم۔ تم لکھنا چاہتے ہو نا؟ وہ بھی سچ؟ تو تم رپورٹنگ کی طرف چلے جاؤ۔ اور یہ مت کہنا کہ تمہیں جاب کون دے گا۔ میرا ایک کلائنٹ ایک اخبار چلاتا ہے۔ اس سے تمہارے لئے وقت لیا ہے۔ دو دن بعد تم انٹرویو دینے پہنچ جانا۔''

''آپ اور اتنی مہربان؟''

''اور سنو' کوئی اچھی سی تحریر لکھ کے لے جانا۔ وہ تحریر تمہاری سی وی ہوگی۔ اس کو پڑھ کے ہی وہ تمہیں نوکری دینے یا نہ دینے کا فیصلہ کریں گے۔'' اس کی بات کو نظرانداز کر کے کہے جا رہی تھی جب ایڈم ایک دم کراہا۔ ''آؤچ۔''

''یا اللہ ایڈم.... کیا ہوا؟''

''جی چے تالیہ.... میں انٹرویو دینے ضرور جاؤں گا۔ اچھا میں ٹھہر کے کال کرتا ہوں۔'' اس نے فون بند کیا اور ٹارچ جلا کے مٹی پہ روشنی پھینکی۔ ویسے تو شام کی روشنی پھیلی تھی مگر وہ کافی نہ تھی۔ ایڈم نے چہرہ جھکایا اور تعجب سے پتلیاں سکوڑ کے دیکھا۔ اس کے ہاتھ پہ کیا چبھا تھا بھلا؟

مٹی میں تار کا ٹکڑا دکھائی دے رہا تھا۔ موٹی سیاہ تار کا کٹا ہوا سرا جس سے برہنہ تاریں نکل رہی تھیں۔ ایڈم نے دستانے سے

تار پکڑ کے کھینچی تو کسی سانپ کی طرح وہ باہر نکلتی آئی۔

''یہ کیا؟''

وہ اچنبھے اور تعجب سے اس تار کو دیکھ رہا تھا۔ (یہ تار کہاں جا رہی ہے؟)

تار کیاری میں دبی ہوئی تھی۔ وہ اسے مٹی سے کھینچ کے نکالتا کیاری کے سرے تک آیا جہاں وہ زمین کے اندر دب جاتی تھی۔ وہ کہاں تک جاتی تھی؟ یہ عجیب سی تار سن باؤ کے صحن میں کیوں دفن تھی؟

ذہن کے کسی تہہ خانے میں تالیہ مراد کی آواز گونجی۔

''سن باؤ کا گھر....تین خزانوں کا گھر....''

پہلا خزانہ وقت کا تھا.... جس کا قفل کھلنے سے دل خالی ہو گیا تھا۔

دوسرا خزانہ انہوں نے مجسمے تلے اپنے ہاتھوں سے دبایا تھا.... جسے کھودنے کے بعد بھی ہاتھ خالی رہ گئے تھے۔

ایک دفعہ مذاق مذاق میں تالیہ نے کہا تھا کہ اس گھر میں ایک تیسرا خزانہ بھی ہونا چاہیے۔

کیا سن باؤ کے گھر میں کوئی تیسرا خزانہ بھی دبا تھا جس سے کوئی واقف نہ تھا؟

ایڈم بن محمد یک ٹک اس تار کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی گردن کے بال کھڑے ہونے لگے تھے۔

☆......☆......☆

اس صبح عصرہ بنت محمود ناشتے کی میز کی طرف جا رہی تھی جب لاؤنج کی کھڑکی کے جالی دار پردے کو دیکھ کے رکی۔ وہاں سے لان اور پورچ دکھائی دے رہا تھا۔ وان فاتح کے گارڈز کار کے قریب مستعد کھڑے تھے۔ صبح ہی صبح یہ عملہ پہنچ جاتا تھا اور رات تک اس کے ساتھ رہتا تھا۔ عصرہ کو ہر صبح عثمان' دو گارڈز اور عبداللہ کو اس جگہ دیکھنے کی عادت تھی مگر آج وہاں ایک نیا چہرہ بھی تھا۔

''تالیہ؟''

وہ کار سے ٹیک لگائے کھڑی' موبائل پہ سر جھکائے ہوئے تھی جب عصرہ کی حیرت بھری آواز سنائی دی۔ چونک کے سر اٹھایا۔ عصرہ نہار منہ' بالوں کو جوڑے میں لپیٹتی' کندھوں پہ شال لپیٹے چلی آ رہی تھی۔

''صبح بخیر مسز عصرہ۔'' تالیہ سنبھل کے مسکرائی اور فون کہنی پہ اٹھائے بڑے سے لیدر بیگ میں ڈالا۔

''اشعر صاحب سے جاب کا کہا تو انہوں نے مجھے فاتح صاحب کے اسٹاف میں بطور باڈی وومن جاب دلوا دی۔'' کندھے اچکا کے بولی۔ عصرہ نے سر سے پیر تک ایک ہی نظر میں اس کا جائزہ لے لیا۔

وہ عام دنوں کے برعکس سادہ سی تیار ہوئی تھی۔ ٹائیٹس پہ لمبی بھوری فراک' گردن میں پھولدار رومال' بالوں کی اونچی پونی' پیر

میں کینوس شوز....وہ واقعی ایک پرسنل ایڈ لگ رہی تھی۔ وہ ایگزیکٹیو ڈیزائنر کوٹ' وہ قیمتی لباس' سب ندارد تھا۔ ہاں انگلی کی سرخ آنسو شکل انگوٹھی اور بالوں میں لگا سنہرے ہرن کے چہرے والا کلپ ویسا ہی تھا۔

''باڈی وومن۔اوہ اچھا۔اچھا۔'' عصرہ سنبھل کے مسکرا دی۔ پھر ادھر ادھر سارے عملے کو دیکھا جو فاتح کے انتظار میں کھڑے تھے۔''مجھے نہیں معلوم تھا تم سیاسی عزائم بھی رکھتی ہو۔''

''عزائم کا تو علم نہیں' البتہ وہ تمام خوبیاں میرے اندر موجود ہیں جو بی این میں کام کرنے کے لئے درکار ہیں۔''

''گڈ۔'' عصرہ نے مسکرا کے شانے اچکا دیئے' البتہ ایک گہری نظر اس پہ ضرور ڈالی جو کار سے ٹیک لگائے بے نیازی سے دائیں بائیں دیکھ رہی تھی۔

عصرہ کے جانے کے بعد گیٹ کھلا اور وہ اندر داخل ہوتا دکھائی دیا۔ ٹی شرٹ ٹراؤزر میں ملبوس' پسینے سے تر چہرہ لئے' گہرے گہرے سانس لیتا وہ اندر آیا تو وہ فوراً سیدھی کھڑی ہوئی۔ ایک ہاتھ بیگ میں چلا گیا۔

''آپ کی پوسٹ ورک آؤٹ ڈرنک۔سر!'' آگے آئی اور ادب سے بوتل نکال کے پیش کی۔ بوتل سلور رنگ کی تھی اور عبداللہ نے سامان کے ساتھ حوالے کی تھی۔ فاتح نے بوتل پکڑتے اسے ایک نظر دیکھا۔

''تم آگئیں' تاشہ!'' بوتل منہ سے لگائی۔ گھونٹ بھرا۔ پھر منہ بنا کے بوتل نیچے کی۔

''لگتا ہے تم نے اپنی ساری کڑواہٹ بھی میری ڈرنک میں گھول دی ہے۔''

چوٹ بہت زور کی تھی مگر وہ ضبط کر گئی۔ تحمل سے اس کی آنکھوں میں دیکھ کے بولی۔''یہ آپ کی فیورٹ ڈرنک ہے' سر' لیکن اگر آپ نے ابھی ابھی اپنے فیورٹس بدلنے کا فیصلہ کیا ہے تو مجھے نیا فیورٹ بتا دیں۔ میں کل سے وہی لے آؤں گی۔''

''میری پسند ناپسند معلوم کرنا تمہاری جاب ہے' تاشہ!'' بوتل اس کے ہاتھ میں تھمائی اور خود آگے بڑھ گیا۔ تالیہ نے کینہ توز نظروں سے اسے جاتے دیکھا۔ ارد گرد کھڑے گارڈز اور عثمان خاموشی سے اس کی ''بے عزتی'' دیکھ رہے تھے۔ بالکل نہ بولے۔ اس نے ٹھنڈی بوتل بیگ میں ڈال دی۔ بے حد لذیذ مشروب صرف تالیہ کے ہاتھ میں جانے سے اب اسے کڑوا محسوس ہوگا؟ واہ' تو انکو!

کار میں وہ خاموشی سے اگلی سیٹ پہ بیٹھی تھی۔ عثمان ڈرائیو کر رہا تھا اور فاتح پیچھے بیٹھا کھڑکی سے باہر دیکھتا رہا تھا۔ دفعتاً سگنل پہ کار رکی تو تالیہ کھنکھاری۔''آپ کو اس سگنل سے آفس تک اخبار پڑھنے کی عادت ہے' تو میں ذرا اخبار لے آؤں۔'' جتا کے بولی تو فاتح نے محض اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ گھر میں آئی اخبار کار میں نہیں لے کر جاتا تھا۔ راستے سے عبداللہ ہمیشہ تازہ اخبار لیتا تھا۔

وہ کار سے نکلی تو ایک دم بوندا باندی شروع ہوگئی۔ چھتری بیگ میں تھی اور کے ایل کا موسم وان فاتح کے موڈ جیسا تھا۔ پل میں تولہ پل میں ماشہ۔ اخبار کے اسٹال جانے تک بارش کی تیز بوچھاڑ برسنے لگی۔ تالیہ بھیگ گئی۔ اخبار کو تو پلاسٹک ریپر میں ڈالا مگر خود کو کہاں

ڈالتی؟ بھاگتی بھاگتی واپس کار میں آئی اور اندر پناہ لی۔ پھر ریپر کھول کے اخبار پیچھے باس کی طرف بڑھائی۔

اس نے ایک نظر بھیگی ہوئی لڑکی پہ ڈالی اور اخبار پکڑ لی۔ پھر عینک لگائی اور چند لمحے سرسری نظر سے خبروں کا جائزہ لیا۔ پیشانی شکن آلود ہوگئی۔

''تم یہ اخبار خود پڑھ لو۔ تمہاری سیاسی سمجھ بوجھ میں اضافہ ہوگا۔'' شاید کسی خبر کو دیکھ کے موڈ آف ہوا تو عینک اتاری اور ناگواری سے اخبار آگے بڑھا دی۔

عثمان خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا جیسے چے تالیہ کی بے عزتی نمبر دو سنی ہی نہ ہو۔

اس نے چپ چاپ اخبار پکڑ لی اور رول کر کے بیگ میں ڈال دی۔ تاثرات سپاٹ رکھے۔ (اب میری لائی اخبار بھی کڑوی ہے کیا؟ ہونہہ۔)

وہ آفس کے اندر چلا گیا تو وہ باہر کرسی پہ خاموشی سے بیٹھ گئی۔ بار بار گھڑی کو دیکھتی۔ کافی کا وقت ہوا تو اٹھی اور کچن میں گئی۔ آفس کا چھوٹا سا کچن تھا جو اسٹاف کے لئے تھا۔ ایگزیکٹیو کچن علیحدہ تھا۔

ابھی اس نے کافی بنائی ہی تھی کہ ساتھ ایک لڑکی آ کے کھڑی ہوئی۔ وہ اپنے لئے مگ نکال رہی تھی۔ اس کو دیکھ کے تالیہ رکی۔ ماتھے پہ کٹے ہوئے بھورے بالوں والی یہ وہی لڑکی تھی جسے خواب میں وہ ٹرمینیشن لیٹر دے رہی تھی۔ قدیم ملاکہ کی سونے کی قید میں ایک وہ خواب تھا جو امید دلاتا تھا کہ کبھی وہ واپس جائیں گے۔ کون تھی یہ لڑکی؟

''تم فاتح صاحب کی اسٹافر ہو؟'' اس نے اپنی چائے بناتے ہوئے ایک سرسری نظر تالیہ پہ ڈالی۔ تالیہ نے سر ہلا دیا۔ ''جی۔''

''کافی میکر استعمال کے بعد صاف کر دینا اور فلٹر پیپر نکال کے پھینک دینا۔ یاد سے۔'' نخرے سے یاد کرایا تو تالیہ نے بس ایک خاموش نظر اس پہ ڈالی۔ (یہ نہیں جانتی کہ ایک دن میں اس کو ٹرمینیٹ کروں گی۔ مگر ایک باڈی وومن کسی کو ٹرمینیٹ کیسے کر سکتی ہے؟)

کافی لے کر وہ اندر آئی تو وہ فائلز میں الجھا بیٹھا تھا۔ تالیہ نے مگ رکھا تو عادتاً بولا۔ ''تھینکس عبد....''

پھر رکا۔ نظر اٹھا کے اسے دیکھا۔ تاثرات سپاٹ ہو گئے۔ خاموشی سے مگ اٹھایا اور گھونٹ بھرا۔ وہ جان بوجھ کے رک کے اس کے تاثرات دیکھنے لگی۔

''خود بنائی ہے؟'' گھونٹ بھر کے پوچھا۔

''جی سر!''

''بہت بدمزہ ہے۔ آئندہ مت بنایا۔ نیچے مال سے لے آنا۔ اسے گرا دو۔'' ناگواری سے کہتے مگ پرے دھکیلا اور لیپ ٹاپ سامنے کر لیا۔ ماتھے پہ شکنیں اور آنکھوں میں برہمی تھی۔

ملاکہ کی شہزادی کے لئے صبر کے گھونٹ بھرنا بہت مشکل ہو گیا تھا' مگر وہ جانتی تھی کہ وہ جان بوجھ کے ایسا کر رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے وہ خود جاب چھوڑ کے چلی جائے۔

''نیچے مال سے لے آتی ہوں' سر۔''

''ابھی پارلیمنٹ کے لئے نکلیں گے' تب لے آنا۔'' وہ کی بورڈ پہ ٹائپ کر رہا تھا۔ بے نیازی سی بے نیازی تھی۔ وہ اتنا مصروف تھا کہ اس کے پاس تالیہ کو دیکھنے کا وقت بھی نہیں تھا۔ وہ چپ چاپ پلٹ گئی۔

فاتح کار میں بیٹھ چکا تھا جب وہ کافی کے دو گلاس اٹھائے' بیگ سنبھالتی کار تک آئی۔ عبداللہ نے بتایا تھا کہ وہ پارلیمنٹ والے دن راستے میں دو مگ کافی پیتا ہے۔ اس نے ایک مگ پکڑ لیا اور دوسرا اس کی طرف بڑھا دیا پھر آگے بیٹھ گئی۔ دھڑکتے دل کے ساتھ بیک ویو شیشے میں اس کا عکس دیکھا۔

فاتح نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے مگ لبوں سے لگایا۔ دو گھونٹ بھرے۔ پھر سڑک کنارے بھاگتی عمارتوں کو دیکھ کے کہنے لگا۔

''تم نے راپا چینی کی بیٹی والی کہانی پڑھی ہے' تاشہ؟''

''نہیں سر!'' وہ سانس روکے اس کے تاثرات پڑھ رہی تھی۔ دل برا ہونے لگا تھا۔

''راپا چینی نے اپنے گھر میں زہریلے پھولوں کا باغ لگایا اور بچپن سے اپنی بیٹی کو زہریلے پھولوں کا رس پلانے لگا۔ تھوڑا تھوڑا زہر اس کے اندر اترا تو وہ مری نہیں' بلکہ زہر سے Immune ہوتی چلی گئی یہاں تک کہ وہ خود ایک زہریلا پھول بن گئی۔ وہ لڑکی جس پھول کو چھوتی وہ اس کے ہاتھ میں مرجھا جاتا۔ جس شخص کو چھوتی' اسے اپنے لمس کے زہر سے مار دیتی۔ میں ابھی تک سمجھتا تھا کہ یہ ناممکن ہے کہ کسی انسان کے ہاتھ میں اتنی کڑواہٹ بھر جائے کہ وہ جس کو چھوئے....'' سر جھٹک کے عثمان کو پکارا۔ ''پلیز اس کافی کو اس پھول بیچنے والے کو دے آؤ۔ شاید اس کو یہ اتنی بدمزہ نہ لگے۔''

عثمان نے کار روکی۔ خاموشی سے دونوں کپ لئے اور باہر نکل کے ایک پھولوں کے اسٹال تک چلا گیا۔

وہ چپ چاپ بیٹھی لب کاٹتی رہی۔ وہ جواب نہیں دے گی' یہ طے تھا۔ وہ یہی چاہتا تھا نا کہ وہ جواب میں پھٹ پڑے اور وہ اسے نکال دے۔ نہیں۔ وہ چپ رہے گی۔ وہ اسے خود کو فائر کرنے کی معقول وجہ نہیں دے گی۔ تالیہ مراد اگر کڑوی تھی تو وان فاتح کو یہ کڑوا گھونٹ پینا ہی پڑے گا کیونکہ یہ اس کی اپنی خواہش تھی کہ تالیہ اس کے ساتھ رہے۔ وہ صرف اپنا وعدہ نبھا رہی تھی۔

☆......☆......☆

ملاکہ میں آج مطلع صاف تھا۔ سن باؤ کا گھر خاموشی سے کھڑا اپنے سامنے بنے بازار کو دیکھ رہا تھا۔ وہاں قطار میں شاپس اور ریستوران بنے تھے۔ باہر کرسیاں میزیں ڈالے بیٹھے لوگ کھانے پینے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔

ایسے میں ایک ریستوران جوسن باؤ کے گھر کے عین سامنے تھا' اس کے کاؤنٹر کے ساتھ رکھے اسٹول پہ داتن بیٹھی تھی۔ کاؤنٹر پہ ٹشو کا ڈبہ رکھا تھا جس سے ٹشو نکال نکال کے وہ آنکھیں پونچھ رہی تھی اور ساتھ کھڑی معمر سیلز وومن ہمدردی بھرے تاثرات سے اس کی کتھا سن رہی تھی۔

''نہ وہ پیسے بھیجتا ہے' نہ ملنے آتا ہے۔ اتنے بڑے آدمی کی نوکری نے میرا بیٹا مجھ سے چھین لیا ہے۔''

موٹے موٹے آنسو صاف کرتی وہ گیلی آواز میں بتا رہی تھی۔ سر پہ اسکارف لپیٹے' داتن پدو کا ایک دکھیاری عورت لگتی تھی جس کے غم دوسری عورتوں جیسے تھے۔

سیلز وومن نے تاسف سے سر ہلایا۔''یا اللہ.... آج کل کی اولاد۔'' پھر جیسے رائے دینے لگی۔''تم اس کے باس سے کیوں بات نہیں کرتی۔''

''اس کا باس؟ ہونہہ۔ وہ وان فاتح ...ممبر پارلیمنٹ کا سالا ہے۔ اشعر محمود۔ اس سے کیا بات کروں۔ میرے جیسوں کو تو وہ اندر گھسنے ہی نہ دے۔''

''وان فاتح کا سالا؟'' سیلز وومن نے چونک کے سڑک کی طرف دیکھا جس کے دوسری طرف سن باؤ کی حویلی تھی۔

''یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ میں زہری سے کہتی ہوں وان فاتح سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے۔ تمہیں معلوم ہے۔'' راز داری سے کاؤنٹر پہ جھکی۔''یہ سامنے والی سرخ حویلی وان فاتح کی ہے۔''

''ایں؟'' روتی ہوئی داتن نے سر اٹھا کے بے یقینی سے اسے دیکھا' پھر منہ بنایا۔''ادھر ملاکہ میں اس کی حویلی کہاں سے آ گئی؟''

''یقین کرو میں سچ بول رہی ہوں۔''

''خیر ...ہو بھی سکتی ہے مگر اس جیسے بڑے لوگ یہاں نہیں آتے۔ وہ تو اپنے محلوں سے ہی نہیں نکلتے۔'' آنسو پھر سے اس کی آنکھوں سے ابلنے لگے۔''اور ان کے محلات کی حفاظت میرے بیٹے جیسے لوگ کرتے ہیں۔''

''نہیں نہیں وہ آتا ہے۔ رک کے دکان والوں کی خیریت بھی پوچھتا ہے۔ مہینے دو مہینے بعد ایک دن کے لئے آ جاتا ہے۔ ابھی پچھلے ہفتے ہی وہ آیا تھا۔'' بتانے والی عورت تھی اور شروع ہو چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد داتن سڑک کنارے چلتی فون کان سے لگائے کہہ رہی تھی۔

''تھوڑا بہت علم ہوا ہے کہ اس رات وان فاتح نے کیا کیا تھا۔''

''مجھے معلوم ہے' داتن۔'' تالیہ اس وقت پارلیمنٹ کی گیلری میں بیٹھی تھی اور فون کان سے لگائے روکھے سے انداز میں کہہ رہی تھی۔ نیچے سیشن جاری تھا۔ ڈیسک سجے تھے اور نیچے بیٹھے اشعر اور فاتح دکھائی دے رہے تھے جو خاموشی سے ایک ساتھی کی تقریر سن رہے تھے۔

”میں نے ارد گرد لوگوں کو کریدا ہے۔ ایک نے تو سی سی ٹی وی فوٹیج بھی دکھا دی ہے۔“

”اور اس میں تم نے مجھے اندر داخل ہوتے دیکھا ہو گا۔“

”ہاں۔ اور بعد میں ایڈم آتا ہے فاتح کو لے کر۔ پھر پولیس والے آتے ہیں اور کچھ دیر بعد تم اور ایڈم باہر نکلتے ہو مگر تمہارے لباس مختلف ہیں۔“

”اور پھر وان فاتح سوجاتا ہے اور صبح جب وہ اٹھتا ہے تو اس کو گزشتہ رات بھول چکی تھی....“ تالیہ بے زاری سے دہرا رہی تھی۔ وہ لمبی کتھا سننے کے موڈ میں نہیں تھی۔ ”اب تفتیش ایمانداری سے مکمل ہو گئی ہے' داتن' تم واپس جاؤ' اور سی سی ٹی وی فوٹیج مجھے بھیج دو۔ میں فاتح کو دکھا دوں گی۔“

”وان فاتح سوتا نہیں ہے۔ وہ تمہارے جانے کے بعد گھر سے نکل گیا تھا اور صبح فجر سے پہلے واپس آیا تھا۔“

تالیہ مراد تیزی سے سیدھی ہوئی۔ نظر نیچے بیٹھے فاتح پہ جم گئی جو یہاں سے بہت چھوٹا نظر آ رہا تھا۔

”وہ گھر سے باہر گئے تھے؟ مگر کہاں؟ انہوں نے تو کہا تھا کہ وہ اب آرام کرنے لگے ہیں۔“

”اطراف والوں نے اڑتے اڑتے سنا ہے کہ اس رات وان فاتح کے ساتھ کوئی چوری چکاری کی واردات ہوئی تھی اور وہ پولیس اسٹیشن گیا تھا۔ یہ چھوٹا علاقہ ہے اور فاتح مشہور آدمی ہے' ایسی باتیں چھپی نہیں رہتیں۔“

ایک دم سے معاملہ دلچسپ ہو گیا تھا۔ وہ بالکل الرٹ ہو گئی۔

”داتن... تم معلوم کرنے کی کوشش کرو کہ کیا وہ ساری رات تھانے میں رہا تھا یا کہیں اور بھی گیا تھا۔“

”میں یہی کرنے آئی ہوں' ملاکہ' لیکن وعدہ کرو کہ واپسی پہ تم مجھے سب سچ سچ بتاؤ گی۔“

تالیہ نے جواب دیے بنا فون بند کر دیا۔ پھر اپنا دوسرا موبائل نکالا اور فاتح کو پیغام لکھا۔

”اس رات آپ کے ساتھ چوری کا واقعہ ہوا تھا اور آپ پولیس اسٹیشن گئے تھے۔ کیا ایسا کچھ یاد ہے آپ کو؟“

نیچے اپنی نشستوں پہ بیٹھے افراد بور سے ہو کے ایک قانون ساز کی تقریر سن رہے تھے۔ ایسے میں وان فاتح جو ٹیک لگائے' گال تلے انگلی جمائے بیٹھا تھا' فون کی تھرتھراہٹ پہ چونکا۔ حالم اس کے ان چند کانٹیکٹس میں تھا جن کے لئے اس نے الگ رنگ ٹون لگا رکھی تھی۔ وہاں موبائل کا استعمال پروٹوکول کے خلاف تھا مگر وہ پرواہ نہیں کیا کرتا تھا۔ اطمینان سے فون نکالا اور اسکرین کو چھوا۔ پھر جواب لکھنے لگا۔

”ہاں۔ جب میں صبح اٹھا تو میرے دوست کمشنر نے مجھے رات میرے بیان کی ویڈیو بھیجی تھی۔“

”آپ نے مجھے ویڈیو کے بارے میں پہلے کیوں نہیں بتایا؟“

”کیونکہ تفتیش تمہارا کام تھا' میرا نہیں۔“ وہاں بے نیازی کا وہی عالم تھا۔ تالیہ

''اوکے' مجھے ویڈیو بھیجیں۔ مجھے وہ دیکھنی ہے...ابھی....'' وہ ماتھے پہ بل لئے ٹائپ کر رہی تھی۔

تو وان فاتح اس رات فوراً سے سویا نہیں تھا بلکہ وہ کچھ کرتا رہا تھا مگر کیا؟

فاتح نے اس کے بتائے ای میل ایڈریس پہ فوراً سے کمشنر کی ای میل فارورڈ کر دی۔

تالیہ نے ہینڈز فری کانوں سے لگائی اور گیلری سے باہر نکل آئی۔ باہر ایک خاموش راہداری میں کھڑے اس نے وہ ویڈیو دیکھی۔ یوں لگتا تھا وہ ویڈیو اس نے خود کو لگی چوٹوں سے مطمئن کرنے کے لئے بنوائی تھی تا کہ جب وہ صبح اٹھے تو اسے رات کے واقعات پہ شک نہ ہو۔

مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ اسے شک پڑ گیا تھا اور اس نے حالم کو ہائر کر لیا تھا۔

البتہ ایک خیال تالیہ کا دل برا کرنے کے لئے کافی تھا۔ اس نے اتنی محنت سے ویڈیو بنوائی تا کہ جو فاتح صبح جاگے اسے بھولے سے بھی ماضی کی کرید نہ ہو۔ وہ تالیہ کو اپنے لاشعور سے بھی نکال پھینکنا چاہتا تھا۔ واہ فاتح صاحب....واہ....اس نے بہت سے آنسو اندر اتارے اور کانوں سے ہینڈز فری کھینچ ڈالی۔

سامنے لفٹ کے دروازے کھلے اور فاتح' عثمان کے ہمراہ آتا دکھائی دیا۔ ایک تھکا دینے والے طویل سیشن کے بعد وہ یقیناً تھک چکا تھا۔

''آپ کا انرجی بار' سر!'' ایک انرجی بار اپنی سیاہ زنبیل سے نکال کے اس کی طرف بڑھایا۔ فاتح نے بار تھاما' اس کو الٹ پلٹ کے دیکھا' پھر ایک خاموش نظر تالیہ پہ ڈالی اور بولا۔

''مجھے انرجی کی ضرورت نہیں ہے' میں بالکل فریش ہوں۔'' بے زاری سے کونے میں رکھے ڈسٹ بن میں بار اچھال دیا اور راہداری کا موڑ مڑ گیا۔

تالیہ کے گال دہکنے لگے۔ اندر موجود شہزادی نے کہا کہ لعنت بھیجو اس نوکری پہ اور ابھی استعفیٰ اس مغرور آدمی کے منہ پہ دے مارو....مگر پھر....اس نے کڑوے گھونٹ بھر لئے۔

اگر اس کے ہاتھ لگانے سے ہر چیز فاتح کے لیے زہریلی ہو جاتی تھی تو راپاچینی کی بیٹی کی طرح اس سیاستدان کو بھی اس زہر سے Immune ہونا پڑے گا۔ اس نے زور سے پیر پٹخا اور اس کے پیچھے ہو لی۔

☆......☆......☆

اس صبح ابھی آفس میں معمولات کا آغاز ہی ہوا تھا کہ لفٹ کے دروازے کھلے اور عصرہ بنتِ محمود اترتی دکھائی دی۔ راہداریوں میں فائلیں اٹھائے آتے جاتے لوگوں نے مڑ مڑ کے اسے دیکھا' مگر وہ سپاٹ تاثرات چہرے پہ سجائے سیدھ میں آگے بڑھتی گئی۔ اسکرٹ

کے اوپر کوٹ پہنے' سر کو اسٹول سے ڈھانپے' اسٹول کا ایک سرا سامنے اور دوسرے کو پیچھے ڈالے' وہ ہمیشہ کی طرح مغرور اور طرح دار دکھائی دیتی تھی۔ راستے میں عثمان نے اسے دیکھا تو فوراً سامنے آیا۔

''مسز عصرہ....خوش آمدید۔ فاتح صاحب کانفرنس روم میں ایک دوست کے ساتھ ہیں اور....''

''میں اس سے ملنے نہیں آئی۔'' بے رخی سے کہہ کے آگے بڑھ گئی۔ عثمان گہری سانس لے کر رہ گیا۔

اشعر اپنے بی این کے چھوٹے سے آفس میں موجود تھا اور میز کے پیچھے کھڑے کھڑے کاغذات پہ سائن کر رہا تھا گویا بیٹھنے کا وقت بھی نہ ہو جب دروازہ کھلا اور عصرہ اندر داخل ہوئی۔

اشعر نے محض نظر اٹھا کے دیکھا' پھر واپس کاغذوں کی طرف جھک گیا۔ جبڑے کی رگیں البتہ بھنچ گئی تھیں۔

''رملی نے کہا کہ تم آج اس آفس میں ملو گے۔ شکر ہے یہاں مل گئے ورنہ تم سے ملاقات کے لئے تو لگتا ہے اب وقت لینا پڑے گا۔''

''مبالغہ آرائی سے کام مت لو' کا کا۔ کوئی کام ہے تو بتاؤ۔'' وہ خشک انداز میں کہتے ہوئے جھک کے کھٹا کھٹ دستخط کر رہا تھا۔

عصرہ نے زور سے پرس میز پہ رکھا' کرسی کھینچی اور بیٹھی۔ پھر چبھتی ہوئی نظریں اشعر پہ جما دیں۔

''تم نے معلوم کیا کہ گھائل غزال کا خریدار کون تھا اور اس کو کس نے بھیجا تھا؟''

''کا کا تم کیوں بھول جاتی ہو کہ میرے پاس الیکشن کے علاوہ کسی چیز کا وقت نہیں ہے۔''

''اور تم کیوں بھول جاتے ہو کہ کسی نے تمہاری بہن کی گیلری میں ایک جعلی عرب شہزادے کو بھیجا تھا۔''

''وہ گیلری جو تم نے میرا حق مار کے لی تھی؟'' اشعر نے جھکے جھکے آنکھیں اٹھا کے کاٹ دار انداز میں اسے دیکھا تو وہ کچھ بول نہ سکی۔ پھر اس کی آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔ آگے کو جھکی اور غرائی۔

''مجھے اُس وقت اس گیلری کی ضرورت تھی۔ تم اپنی بہن کے لئے اتنا پرانا بغض سنبھال کے بیٹھے ہو؟''

''اور مجھے اِس وقت تمہاری غیر مشروط سپورٹ چاہیے ہے' کا کا' لیکن تم اپنے شوہر کو روک نہیں سکیں۔'' اس نے زور سے فائل بند کی اور سیدھا ہوا۔ چہرہ سرخ پڑنے لگا تھا۔

''اف ایش...وہ برسوں سے اس کرسی کی تیاری کر رہا ہے۔ میری امید تو دکانیں جلنے اور شیئر ز ڈوبنے سے ختم ہو گئی مگر وہ تو ابھی تک وہیں ہے نا۔ کسی آدمی کے خواب اس سے چوری کیسے کیے جاتے ہیں' تم مجھے سکھا دیتے تو وہ بھی کر لیتی۔ اس سے زیادہ کیا کروں میں تمہارے لئے؟''

''میرے لئے؟ مائی فٹ۔'' وہ غرایا۔ ''میرے لئے کچھ نہیں کیا تم نے' کا کا۔ سب کچھ اپنے لئے کیا ہے۔ اپنے خاندان کو الیکشن کی آلودگی سے دور رکھنے کے لئے' اپنے ذہنی سکون کے لئے۔''

''ہاں کیا ہے میں نے سب اپنے لئے تو پھر تمہیں کیا مسئلہ ہے؟ جب سے اس نے الیکشن لڑنے کا فیصلہ کیا ہے' تم نے مجھ سے اپنا رویہ کیوں بدل لیا ہے؟'' اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ ''میں بیک وقت کئی محاذوں پہ لڑ رہی ہوں' ایش۔ میں تمہاری وہی بہن ہوں جس نے اتنے سال تمہارا خیال رکھا ہے۔''

''مگر میں تمہارا وہ بھائی نہیں رہا۔ تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم اس کو روک لوگی۔ میں نے اتنے ماہ تمہارے وعدے کے بھروسے پہ تیاری کی اور اب تم کہہ رہی ہو کہ تم بے بس ہو۔''

''میرے بس میں ہے بھی کیا؟'' وہ بھیگتی آنکھوں کے ساتھ بے یقینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اشعر چند لمحے کھڑا اسے چبھتی نظروں سے دیکھتا رہا۔

''تم آبنگ سے کہو' اگر اس نے الیکشن لڑا تو اسے تمہیں طلاق دینی ہوگی۔ اسے تمہیں اور چیئرمین شپ میں سے کسی ایک کو چننا ہوگا۔''

عصرہ چند ثانیے اسے دیکھتی رہی' پھر ٹشو پیپر کے باکس سے ایک ٹشو کھینچا' اسے موڑ کے نوک بنائی۔ آنکھوں کے کنارے اس کی نوک سے صاف کیے اور کھڑی ہوئی۔ پھر اس کی آنکھوں میں دیکھا اور چبا چبا کے کہنے لگی۔

''ابھی میں اتنی بے وقوف نہیں ہوئی کہ تمہاری ہر بات کی اندھی تقلید کرنا شروع کر دوں۔ اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔ اور مجھے اس پینٹنگ کا خریدار ڈھونڈ کے دو۔ دو دن میں رزلٹ میری ٹیبل پہ ہونا چاہیے اشعر محمود' ورنہ یاد رکھنا' اگر میں بابا کی جائیداد میں سے اپنے حصے کے لئے کورٹ گئی تو چند ہفتوں میں بٹوارا ہو جائے گا اور تمہاری سب سے قیمتی ملکیت.... بابا کا قلعہ....ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا اور تم اس دن کو یاد کر کے پچھتاؤ گے کہ کاش تم نے دو دن میں مجھے رزلٹ دے دیا ہوتا۔ مت بھولنا کہ میں تمہاری بڑی بہن ہوں۔ تم سے پہلے دنیا میں آئی تھی' تم سے زیادہ چالبازی آتی ہے مجھے۔''

سرخ آنکھوں سے اسے گھورتی مڑی اور تن فن کرتی باہر نکل گئی۔ اشعر جواباً کچھ نہ بولا' بس چپ چاپ اسے جاتے دیکھتا رہا۔ پھر زور سے فائل پرے اٹھا کے دے ماری۔

عصرہ باہر آ کے سیدھی ریسٹ روم کی طرف آ گئی۔ وہاں ایک ہال میں لمبا سا شیشہ لگا تھا جس کے سامنے قطار میں سنک بنے تھے۔ وہ ایک سنک کے سامنے کھڑی ہوئی اور نل تلے ہاتھوں کا پیالہ رکھا۔ پانی ہتھیلیوں میں بھرنے لگا تو اس نے منہ پہ چھینٹا مارا۔

''کیا آپ خوش ہیں' مسز عصرہ؟''

منہ پہ پانی پڑنے کی وجہ سے بصارت دھندلی ہو گئی تھی۔ چونک کے چہرہ اٹھایا تو دھندلا گیلا سا منظر نظر آیا۔

تالیہ اس کے قریب سنک سے ٹیک لگائے سینے پہ بازو لپیٹے کھڑی تھی۔

''سوری؟'' عصرہ نے پیپر ٹاول سے چہرہ تھپتھپایا اور دوبارہ دیکھا تو منظر واضح ہوا۔ وہ سر پہ ترچھی سفید ہیٹ جمائے آج نیلا

پھولدار فراک پہنے ہوئے تھی اور آنکھوں میں ڈھیروں سادگی لیے عصرہ کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ خوش ہیں مسز عصرہ؟ اور مطمئن بھی؟''

باہر سے آتا فاتح اس آواز پہ دروازے کے دوسری طرف رک گیا۔ عثمان نے سرگوشی کی تھی کہ جذباتی انداز میں اس نے عصرہ کو اشعر کے آفس سے نکلتے دیکھا ہے تو فوراً اس طرف آیا تھا۔ مگر چونکہ یہ لیڈیز ریسٹ روم تھا' اسے باہر ہی رکنا پڑا۔

''خوش؟ مطمئن؟'' عصرہ آئینے میں خود کو دیکھتے ٹشو سے آنکھ کے کنارے پونچھنے لگی۔

''آپ نے اس روز مجھ سے پوچھا تھا کہ آپ کو نہیں معلوم تھا' میرے سیاسی عزائم بھی ہیں۔ ایک زمانے میں میرے سیاسی عزائم نہیں تھے۔ میں اپنی زندگی میں خوش اور مطمئن تھی گو کہ میری زندگی قابلِ رشک نہیں تھی۔'' وہ اطمینان سے ٹیک لگائے کھڑی کہہ رہی تھی۔ عصرہ خاموشی سے اپنا میک اپ صاف کرتی رہی۔ وپ آئینے میں دیکھ رہی تھی۔ اس کا تالیہ سے کوئی بات کہنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔

''مگر پھر میں نے اپنے بابا کو دیکھا۔ وہ بہت دانا سیاستدان تھے۔ ایک دنیا پہ حکمرانی کرتے تھے مگر وہ خوش اور مطمئن نہ تھے۔ ان کے اندر بہت آگ تھی۔ ہوس' ambition' طاقت کی خواہش۔ اور پھر میں نے جانا کہ خوش اور مطمئن لوگ دنیا پہ حکمرانی نہیں کر سکتے۔ کسی ملک کو صرف وہی چلا سکتا ہے جو نہ اپنی زندگی سے خوش ہو نہ اپنے معاشرے سے مطمئن۔ جس کے پاس ٹوٹا ہوا دل ہو' وہی اپنے لوگوں کے لئے کچھ کرنے کے ارادے سے نکلتا ہے اور ان کے دلوں پہ حکمرانی کرنے لگتا ہے۔''

وہ بولے جا رہی تھی اور عصرہ اپنے عکس کو دیکھتی آنکھیں صاف کر رہی تھی۔

''مگر جب کسی کی مشکلیں دور ہو جائیں اور اسے بے پناہ خوشیاں مل جائیں تو وہ فیر اس شخص کو Productive نہیں رہنے دیتا۔ آسانیاں اور راحتیں انسان کو نکما بناتی ہیں۔ بڑے مقاصد کے لئے جینے والے.... بڑی بڑی تحریکیں چلانے والے... ان سب کے دلوں کا ٹوٹا ہوا ہونا ضروری ہے۔ تاکہ وہ دوسروں کا غم سمجھ سکیں۔ میں اب خوش نہیں ہوں۔ دکھی ہوں۔ مطمئن بھی نہیں ہوں۔ محرومی کا شکار ہوں۔ پانے کے بعد چھین لئے جانے کی محرومی۔ اس لئے اب میں اس تحریک کا حصہ بننا چاہتی ہوں۔ اس آفس میں کام کرنا چاہتی ہوں کیونکہ میں بالکل بھی خوش نہیں ہوں۔ کیا آپ ہیں؟''

کمرے میں لگے ڈھیروں آئینے ہر کونے میں ان دونوں کا عکس دکھا رہے تھے۔ ہیٹ والی لڑکی سنک سے ٹیک لگائے کھڑی تھی اور عصرہ ابھی تک آئینے میں دیکھتی اپنا میک اپ درست کر رہی تھی۔ پھر اس نے پاؤڈر کی ڈبی بند کی اور تالیہ کی طرف گھومی۔

''اس سیاست نے مجھ سے میری بیٹی چھین لی۔ مجھے خوشی اور اطمینان کا اب کرنا بھی کیا ہے؟'' زہرخند لہجے میں بولی اور مڑ گئی۔

باہر کھڑا وان فاتح آہستہ سے پلٹ گیا۔ عصرہ کو اس کی ضرورت نہیں تھی' وہ جان گیا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ کام سے اس کے آفس میں آئی تو دیکھا' وہ لیپ ٹاپ پہ کچھ ٹائپ کر رہا ہے اور اس کی کافی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔

فاتح نے آج بھی اس کی لائی کافی کو چھوا نہیں تھا۔ اس کے دل کو دھکا سا لگا مگر ضبط سے سپاٹ چہرے کے ساتھ اندر آئی اور شیلف کے ساتھ جا کھڑی ہوئی۔ اسے وہاں رکھی فائلز کی ترتیب جوڑنی تھی۔

''تمہیں کیوں لگتا ہے کہ خوش اور مطمئن لوگ اچھے حکمران نہیں بن سکتے۔''

ہیٹ والی لڑکی آواز پہ چونک کے مڑی۔ وہ ٹائپ کرتے ہوئے عینک لگائے اسکرین کی طرف متوجہ تھا۔

(تو اس نے ان کی باتیں سن لی تھیں۔ کیسا کھرا آدمی تھا۔ دو منٹ بھی نہیں چھپا سکا اس بات کو۔)

''کیا مجھے غلط لگتا ہے' سر؟''

''میں صرف یہ جاننا چاہتا ہوں کہ اتنی معقول بات تمہارے ذہن میں کیسے آئی؟'' وہ اس کو اتنا عقلمند نہیں سمجھتا تھا' یہ تو طے تھا مگر انداز اتنا بے ساختہ تھا کہ وہ مسکرا دی۔

''مجھے کسی نے کہا تھا ایک دفعہ کہ خوش اور مطمئن لوگ حکومت نہیں چلا سکتے اور میں نے اس کی بات نہیں مانی تھی۔ اب مانتی ہوں۔''

''کس نے کہا تھا؟'' وہ مصروف سے انداز میں بدستور ٹائپ کرتے پوچھ رہا تھا۔

''تھا کوئی خود غرض انسان۔'' وہ گہری سانس لے کر پلٹ گئی اور ڈسٹر اٹھا لیا۔

''تم خوش اور مطمئن کیوں نہیں ہو اپنی زندگی سے؟ ہر چیز تو ہے تمہارے پاس۔'' خود غرض انسان نے سوال کیا۔

''ہر چیز ہونے سے کوئی خوش ہو سکتا ہوتا تو شہزادیاں سب سے زیادہ خوش ہوتیں' سر۔''

''تم ناشکری ہو' لڑکی!'' وہ گہری سانس لے کر کام میں مصروف ہو گیا۔ وہ چپ چاپ فولڈرز صاف کر کے شیلف کے اندر رکھتی گئی۔ یکدم چھناک کی آواز آئی تو وہ کرنٹ کھا کے پلٹی۔ فاتح بے دھیانی میں کرسی پہ مڑا تو ہاتھ کافی کے مگ کو لگ گیا۔ مگ میز پہ اوندھا ہو گیا جسے اس نے تیزی سے تھام لیا۔ مگ بچ گیا مگر کافی میز پہ گر گئی۔

''اس کو یہاں سے ہٹا لینا تھا' تاشہ!'' وہ قدرے کوفت سے بولا۔ ہاتھ کی پشت پہ بھی گری تھی مگر صد شکر کہ اب تک ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ تالیہ تیزی سے وہاں آئی اور جلدی سے ٹشو باکس سے ٹشو کھینچ نکالے۔ فٹافٹ میز صاف کی۔ دو ٹشوز سے فرش پہ گرے مائع کو ڈھانپا۔ پھر فاتح کو دیکھا جو ہاتھ کی گیلی پشت کو بے زاری سے دیکھ رہا تھا۔ باکس دور تھا اور وہ ٹشو نہیں نکال سکتا تھا۔ تالیہ نے باکس کی بجائے اپنا بیگ اٹھایا جو شیلف پہ رکھا تھا اور اندر سے گیلے وائپس کا پیکٹ نکالا۔ موتیے کی خوشبو والے وائپس وان فاتح کے پسندیدہ تھے۔ اس نے پیکٹ کھولا تو ایک دم سارے میں موتیے کی خوشبو پھیلنے لگی۔ اس نے ادب سے پیکٹ سامنے کیا۔

''جاؤ' تاشہ' میں خود کر لوں گا۔'' سرد مہری سے وائپس جھٹک دیا اور آگے بڑھ کے ڈبے سے سوکھے ٹشو کھینچے۔ پھر انہی سے ہاتھ صاف کرنے لگا۔